احادیثِ متعارضہ
اور ان کا حل

صحیح احادیث کی پاکیزہ تعلیمات کے درمیان ظاہری
تعارض کے بہترین حل کا مستند ذخیرہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف
محمد حسین میمن

ادارۂ تحفظِ حدیث فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	مقدمہ محمد حسین میمن	5
2	نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے متعلق احادیث میں تطبیق	7
3	شیطان کا انسان کے ساتھ رہنا اور اس کا حل	8
4	نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام امتی یا نبی؟	9
5	مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیرات اور اس کا حل	11
6	معوذتین کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ کا انکار اور اس کا صحیح حل	14
7	کھانا اپنی جگہ سے تناول فرمانا دو حدیثوں میں تطبیق	16
8	خودکشی کرنے والا جہنم میں دو حدیثوں میں تطبیق	17
9	میت پر نوحہ کرنا دو حدیثیں اور اس کا جواب	21
10	جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کتنی فضیلت کا حامل ہے دو احادیث میں تعارض اور اس کا حل	23
11	نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں صحیح جواب	25
12	غسل جنابت کب واجب ہوتا ہے، تعارض اور اس کا جواب	27
13	''لو'' اگر کسی کام میں کہا جائے تو کیسا ہے دو حدیثوں میں تطبیق	28
14	عورت کا نابینا شخص سے پردہ کرنا کیسا ہے؟	30
15	اللہ کے نبی ﷺ کی دیگر انبیاء پر فضیلت دو متعارض احادیث میں تطبیق	32
16	ایک دن میں ایک وقت کی ایک ہی مرتبہ نماز پڑھی جائے، تعارض کا حل	33
17	اس چیز کا بیان کہ قرآن کے ساتھ کسی اور چیز کی کتابت کا ممنوع ہونا	34
18	اسلام لانے کے بعد برے اعمال کرنے سے زمانہ جاہلیت کے اعمال کا بھی مواخذہ ہوگا یا نہیں۔	35
19	ران ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ دو متعارض احادیث میں تطبیق	36
20	اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے یا بیٹھ کر؟ اعتراض کا جواب	37
21	جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے یا نہیں؟	38

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
22	نماز میں سترہ کے بارے میں دو بظاہر متعارض احادیث اور اس میں تطبیق	39
23	حالت جنابت میں سونے سے متعلق دو متعارض احادیث میں تطبیق	40
24	کیا تاجر فاجر ہیں؟ حدیث کے الفاظ اور اس کا صحیح مفہوم	41
25	دودھ پی کر کلی کرنا	41
26	سفر معراج سے متعلق بظاہر متضاد احادیث میں تطبیق	42
27	احد کے شہیدوں پر نماز جنازہ پڑھنا دو احادیث میں تطبیق	43
28	صوم داؤدؑ افضل ہے یا صوم محرم	44
29	بچے کا نام پیدائش کے وقت رکھا جائے یا ساتویں دن	45
30	اعمال کو اللہ کے دربار میں پیش کئے جانے والی مختلف روایات اور اس کا حل	46
31	اگر سامنے کھانا ہو اور نماز کا وقت بھی ہو تو پہلے کس امر کو انجام دیا جائے؟	47
32	بجو کی حلت اور حرمت کے بارے میں دو احادیث میں تطبیق	48
33	مردہ جسم کی ہڈی کو توڑنا زندہ جسم کی ہڈی کے توڑنے کے موافق ہے	49
34	رسول اللہ ﷺ کے لئے تمام عورتیں حلال تھیں یا نہیں؟	49
35	پردہ کا حکم کب نازل ہوا؟	50
36	مکہ مکرمہ کی حرمت کس دن قائم ہوئی؟	51
37	کسی شخص کا اللہ کی کسی صفت کے نہ ہونے کے متعلق گمان کرنا کیا ایسا شخص بخش دیا گیا؟	52
38	میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب ہے کہ نہیں؟	53
39	وتر بھولنے کے بعد پڑھنے کا حکم دو احادیث میں تطبیق	54
40	کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی بہتر ہے؟	54
41	چھینکنے والے کا جواب دینا اور حدیث میں تطبیق	55
42	بچے کا فطرت پر پیدا ہونا اور ماں کے پیٹ میں ہی شقی اور سعید ہونے کا صحیح مطلب	56

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
43	اللہ تعالیٰ کی رویت کے مطابق آیات اور احادیث میں تطبیق	57
44	جس بچی کو زندہ گاڑ دیا گیا ہو کیا وہ بھی گاڑنے والے کے ساتھ جہنم میں جائے گی یا نہیں؟	58
45	انسان کی عمر میں زیادتی کی جائے تو کیا یہ تقدیر کے خلاف ہے؟	59
46	نماز میں سلام کا جواب لوٹانا چاہیئے یا نہیں؟	60
47	عصر کے بعد دو رکعتوں کو پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟	60
48	نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں نماز پڑھی تھی یا نہیں؟	61
49	بلی کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونا چاہیئے یا نہیں؟	62
50	جنابت کی حالت میں روزہ رکھا جائے یا توڑ دیا جائے؟	63
51	دجال کے متعلق متضاد روایات اور ان میں تطبیق	65
52	حدیث کی سند پر جرح	67
53	دجال کی نشانیاں	69
54	دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا یا بائیں آنکھ سے، تطبیق	71
55	متن پر تنقید اور اس کا جواب	72
56	سند پر اعتراض اور اس کا جواب	74
57	ابو معاویہ پر منکرین حدیث کی جرح اور اس کا ازالہ	75
58	عیسیٰ علیہ السلام کا امامت کروانا اور امامت سے انکار کرنا	77
59	سند پر اعتراض	78
60	ایک اور سند پر اعتراض اور اس کا جواب	81
61	دو حدیثوں میں تطبیق	82
62	سند کی تحقیق اور تطبیق	83
63	کیا ابن صیاد دجال ہے؟	87

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
64	قبول ایمان کی نفی اور سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر اہل کتاب کا ایمان لانا	89
65	متن اور سند پر تبصرہ	90
66	ابراہیم بن سعد پر جرح اور اس کا ازالہ	94
67	سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا جزیہ کو معاف کرنا اور اس کی تطبیق	98
68	سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی خصوصیات کا جائزہ	108
69	سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وہ خصوصیات جو انہیں قرب قیامت عطا ہونگیں	109
70	دجال کا فتنہ	112
71	عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے دلائل کا علمی جائزہ	115
72	**وما محمد الا رسول قد خلت....الخ** سے غلط استدلال کرنا اور اس کا صحیح جواب	115
73	''**قد خلت**'' کے معنی پر علمی بحث	120
74	آیت ''**فلما توفیتنی**'' کا صحیح مفہوم اور منکرین حدیث کی خیانت	128
75	حدیث ''**لعن اللہ الیھود والنصاری**'' سے مراد کیا ہے؟	130
76	منکرین نزول عیسٰی علیہ السلام اور مرزائیوں میں مماثلت	133
77	صحیح بخاری کی احادیث نزول عیسٰی علیہ السلام پر اعتراضات اور اس کے جوابات	135
78	**اصح الکتب بعد کتاب اللہ** کے مفہوم سے منکرین حدیث کا انحراف	137
79	ایک اشکال اور اس کا ازالہ	140
80	موضوع حدیث کی تعریف	142
81	''**المنار المنیف**'' ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب کی عبارت کی وضاحت	143
82	امام بخاری رحمہ اللہ کے راوی اسحٰق، ان سے مراد کون ہیں؟	144
83	بخاری کی نزول عیسٰی سے متعلق دوسری روایت کی سند پر جرح اور اسکا رد	150
84	مراجع مصادر	157

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا "

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے''۔(سورہ نساء آیت 82)

قرآن مجید فرقان حمید جو کہ رب العالمین کا واضح اور روشن کلام ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی، کوئی کجی، جھوٹ کا ہونا یا اختلاف کا ہونا کسی بھی طریقے سے ممکن نہیں بلکہ اس کلام کے شایاں نہیں ہے کہ اس میں مندرجہ بالا نواقص پائے جائیں۔ کیونکہ بندے اور رب العالمین کے کلام میں سب سے بڑا فرق ہی یہی ہے کہ بندے کی سوچ میں وقت کے ساتھ ساتھ تغیر وتبدیلی واقع ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے۔ مگر خالق کے کلام اور اس کی اتارے جانے والی وحی میں کسی قسم کی تبدیلی یا ٹکراؤ ناممکنات میں سے ہے جس طرح قرآن مجید کا اطلاق وحی پر ہوتا ہے یعین اسی طرح فرمان رسول ﷺ کا اطلاق بھی وحی پر ہوتا ہے اور دونوں میں وحی میں تغیر وتبدیلی کا ہونا ایک بہت بڑے طوفان کو دعوت دینا ہے اسی لئے جہاں قرآن مجید کی صحت کو ثابت کرنا تھا تو بیان ہوا کہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی باری آئی تو ارشاد ہوتا ہے۔

" قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاء نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ "

(سورہ یونس آیت 15)

''اے نبی (ﷺ) آپ ان سے کہیئے: مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے''۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی تغیرات، تبدیلی اور تضاد سے پاک ہے جیسے قرآن مجید، دورِ حاضر میں رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ صحیحہ کے خلاف جو چالیں، تلبیسات اور مکر کو استعمال کیا جارہا ہے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سازشیں کسی اہل علم اور ذی شعور سے مخفی نہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سازشوں کو بھی اور ان کے کرنے والوں کی ناک کو خاک آلود کیا اور انہیں رُسوا کر کے ذِلت ان کی پیشانی پر لکھ دی۔سلف نے اس نکتہ پر بڑا گہرا کام کیا ہے۔مثلاً: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے تطبیق پر ایک مستقل کتاب (تاویل مختلف الاحادیث) کے نام سے لکھی جو اہل علم کے حلقہ میں بڑی معروف ہے اسی طرح سے امام طحاویؒ نے بھی اس مضمون پر مستقل کتاب لکھی جو دو جلدوں پر شائع ہوئی (مشکل الآثار) کے نام سے، اب اس کی شرح بھی منظر عام پر آ چکی ہے جو 15 جلدوں پر ہے۔اسی طرح مشکل الآثار کی ترتیب بھی منظر عام پر موجود ہے (تحفۃ الاخیار) کے نام سے جو 10 جلدوں پر ہے۔الحمد للہ یہ تینوں کتابیں راقم کے مکتبہ میں موجود ہیں۔اس کے علاوہ امام شافعیؒ نے بھی اس پر کام کیا اور جید جید علماء نے بھی اس مسئلہ پر خاصی روشنی ڈالی اور تطبیق کے اصولوں کو واضح کیا۔کتاب ھٰذا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں دو بظاہر متضاد احادیث میں تطبیق دی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی صحیح حدیث آپس میں اور کوئی صحیح حدیث قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوتی یہ صرف وصرف ذہنوں کا غمار اور پسماندہ سوچوں کا نتیجہ ہے۔

محمد حسین میمن (خادم حدیث)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

x

(1)نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کے متعلق

''عن أبی جھیم الأنصاری قال: سمعت النبی ﷺ لأن یقوم أحدکم أربعین خیر له من ان یمر بین یدیه ، قال: ماأدری أربعین یوماً أوأربعین شھراً أوأربعین سنة ''

''سیدنا ابوجہیم انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے ایک (شخص) چالیس تک کھڑا رہے تو یہ اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے راوی حدیث کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ چالیس سے چالیس دن مراد ہیں یا چالیس مہینے یا چالیس سال''۔

(تخریج: رواہ مسلم (507)وابن ماجه،والبخاری،وأبوداؤد،والترمذی،والنسائی،والدارمی،وأحمد، والبھیقی، والبغوی ،وعبدالرزاق(2322)ش

جبکہ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ

''عن أبی ھریرة قال:قال رسول الله ﷺ''لویعلم الذی یمر بین یدی أخیه معترضاً وھوینا جی ربه لکان ان یقف مکانه مئة عام خیرله من الخطوة التی خطا''

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اگر اپنے رب سے سرگوشی کرنے والے نمازی بھائی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ (اس پر کتنا گناہ ہے) تو وہ اپنی اس جگہ سو سال ٹھہرا رہے یہ اس کے لئے بہتر ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرے''۔

(تخریج:رواہ أحمد (371/2)وابن ماجه ،وابن حبان،وابن خزیمه،)

تطبیق

1)دونوں روایتوں میں فیصلہ کن روایت ابوجہیم رضی اللہ عنہ کی ہے جسمیں چالیس کا عدد مذکور ہے جس کی مزید تفصیل مسند بزار میں موجود ہے''**أربعین خریفاً**''یعنی چالیس سال اور رہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اس کی سند انتہائی ضعیف ہے اس کی سند میں **عبدالرحمٰن بن موہب** ہے جو کہ ضعیف ہے۔ (تھذیب التھذیب جلد ٥ ص395)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.difaehadees.com

www.KitaboSunnat.com

2) امام طحاوی شرح مشکل الآثار ۴۸/۱ میں فرماتے ہیں: مجموعہ احادیث سے پتا چلتا ہے کہ اربعین میں موجود جو اخفاء ہے اس سے مراد سال ہے نہ کہ مہینہ یا دن۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہمارے نزدیک ابو جہیم کی حدیث سے متاخر ہے اس لئے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے لئے جو وعید ہے وہ ابو جہیم والی روایت کی وعید سے زیادہ ہے اور ابو جہیم کی روایت میں تخفیف ہے۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث چونکہ سخت ضعیف ہے اس لئے استدلال کے قابل نہیں ہے۔

سیدنا ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث بالکل صحیح اور واضح ہے۔ اور راوی حدیث نے اس حدیث کے بعد ایک شک بیان کیا ہے کہ چالیس سے کیا مراد ہے؟ آیا چالیس سال یا چالیس مہینے یا چالیس دن۔ تو یہ شک والی بات مرفوع روایت میں نہیں ہے بلکہ راوی حدیث کا ایک گمان ہے۔ البتہ مسند بزار کی روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہے۔

(2) شیطان کا انسان کے ساتھ رہنا

”عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: ”مامنکم من أحد لا وقد وکل به قرینه من الجن “فقیل: و ایاک ؟قال : و ایای و لکن اللّٰه اعاننی علیه فأسلم فلا یأمرنی الا بخیر“

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جنات میں سے اس کا ایک رفیق مقرر کر دیا گیا ہے آپ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ: کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان الجن ہے آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی پس وہ منقاد اور فرمانبردار ہو گیا۔ اب وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے“۔ (ایک ترجمہ یہ بھی ہے ”پس میں اس سے سلامت رہتا ہوں)

(تخریج :رواہ مسلم (7814) وأحمد 385/1 والبغوی (4211)

جبکہ دوسری روایت میں اس طرح ہے:

”عن أبی الأزهر الأنماری أن رسول اللہ ﷺ کان اذا أخذ مضجعه من اللیل قال:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.difaehadees.com

www.KitaboSunnat.com

بسم الله وضعت جنبی اللهم اغفرلی ذنبی واخسئ شیطانی وفک رهانی وثقل میزانی واجعلنی فی الندی ألاعلیٰ."

''سیدنا ابوازہرانماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بستر پر لیٹ جاتے تو یہ کلمات ارشاد فرماتے: اللہ کے نام سے میں اپنی نیند کا آغاز کرتا ہوں میں نے اپنا پہلو اللہ کے نام سے رکھا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے اور میرے شیطان کو رسوا کر کے دور کردے اور میری گردن کو ہر حق سے جو مجھ پر ہے آزاد کردے اور میرے حسنات کے ترازو کو بھاری کردے اور مجھے ملاأعلیٰ میں جمع ہونے والے فرشتوں میں شامل کردے''۔ (تخریج رواه أبو داؤد (5046)وأورده الحافظ فی الاصابة وجو داسناده)

تطبیق

بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ایک میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کا شیطان الجن مسلمان اور فرمانبردار ہوگیا ہے جبکہ دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے شیطان الجن کو رسوا اور دور کردے۔اس تعارض کے حل کے دو طریقے ہیں:

(1) یہ دعا آپ ﷺ نے اپنے شیطان کے اسلام قبول کرنے سے قبل مانگی تھی اسکے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ محال ہے کہ آپ ﷺ اس کے حق میں اللہ سے یہ دعا مانگیں۔

(2) راجح یہ ہے کہ اللہ کے نبی (ﷺ) کے ساتھ شیطان موجود تھا۔اس مسئلہ میں آپ تمام انسانوں کے ساتھ مساوی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے فضل سے خصوصی مدد فرمائی اور آپ کے شیطان کو ہدایت دے کر مسلمان بنایا۔آپ ﷺ اس کے وسوسوں سے محفوظ رہے اور وہ آپ ﷺ کا منقاد اور فرمانبردار ہوگیا۔مگر چونکہ امت کا شیطان مسلمان نہ ہوا تھا اس لئے آپ نے بطور تعلیم امت کو سکھلایا کہ تم بستر پر لیٹو تو یہ دعا پڑھو تاکہ شیطان کے وسوسوں سے بچ سکو۔والله اعلم ۔

(3) نزول عیسیٰ علیہ السلام امتی یا نبی؟

"عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ كان يقول "والذی نفسی بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماً مقسطاً . يكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویفیض المال حتٰی لایقبله أحد ".

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں عیسٰی علیہ السلام بطور حاکم ،انصاف کرنے والے بن کر اتریں گے صلیب توڑیں گے سور کو قتل کریں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے مال کی فراوانی ہوگی یہانتک کہ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا''۔ (کوئی صدقہ کھانے والا نہیں ہوگا)(تخریج رواہ البخاری(2222)ومسلم (155)والترمذی وابن ماجه واحمد240/2)

جبکہ دوسری روایت میں اس طرح ہے:

"عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ الأنبیاء اخوة لعلات أمهاتهم شتٰی ودینهم واحد وأنا أولی الناس بعیسی ابن مریم لانه لم یکن بینی وبینه نبی وهو خلیفتی علٰی أمتی وهو نازل ....الخ

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انبیائے کرام آپس میں علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں الگ الگ ہیں اور ان کا دین ایک ہے میں تمام لوگوں سے زیادہ عیسٰی ابن مریم کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہو کر اتریں گے''۔ (تاریخ دمشق جلد 50صفحہ 258فتوی حدیثیہ صفحہ 28-29)

اس روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب عیسٰی علیہ السلام امتی بن کر اتریں گے تو جزیہ کو کیسے ختم کریں گے؟ کیوں کہ امتی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ شریعت میں کسی چیز کا اضافہ کرے یا کسی چیز میں کمی کرے ۔جبکہ پہلی روایت میں جزیہ کے ختم کرنے کا ذکر موجو ہے۔

تطبیق

(1) اول یہ کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے وقت لوگ خوب مالدار ہوں گے اور اتنے مالدار ہونگے کہ ان کو مال کی ضرورت ہی نہیں ہوگی ،فقر،مسکنت، اور وہ تمام مصارف زکوٰۃ جس کا اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ آیت:60 میں ذکر کیا ہے مفقود ہو جائے گا پس زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہیں رہے گا تو ایسی حالت میں زکوٰۃ کی فرضیت بھی ختم ہو جائے گی ۔اسی طرح جزیہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ذمہ پر اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ اسے جہاد اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محتاجوں وغیرہ میں لگایا جائے۔ جب یہ بھی نہیں رہے گا تو جزیہ کی فرضیت بھی ساقط ہو جائے گی۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ مثال کے طور پر اگر میں اپنے اس مہمان سے جو میرے پاس آیا ہوا ہو یوں کہوں کہ آپ کو میرا بھائی آپ کے گھر چھوڑ دے گا۔ یہ جملہ کہہ کر اپنے مہمان سے اجازت لے کر چلا جاتا ہوں۔ کچھ دیر میں میرا بھائی آتا ہے اور میرے مہمان کو انکی مطلوبہ جگہ پر چھوڑ دیتا ہے غور فرمائیں۔ میں نے اپنے بھائی کو یہ حکم نہیں دیا کہ آپ مہمان کو مطلوبہ جگہ پہنچا دو۔ بلکہ میرا بھائی میرے انداز بیان سے اس بات کو خوب سمجھ گیا کہ مجھے یہ حکم دیا جا رہا ہے۔ قارئین کرام! یہ ایک ایسی مثال ہے جو آئے دن ہمارے ساتھ پیش آتی رہتی ہیں۔

اس طرح اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام جزیہ کو ختم کریں گے تو آپ (ﷺ) کے اس فرمان سے عیسٰی علیہ السلام کو یہ تعلیم مل رہی ہے کہ آپ جزیہ کو معاف کریں۔ جیسا کہ اوپر والی مثال میں بھائی کو حکم ملا تھا۔ نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے خلیفہ ہونگے۔ خلیفہ اسی کو کہتے ہیں جو اپنے سے پہلے کی شریعت کو آگے لے کر چلے اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا۔ ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجد**''۔ تم پر میری سنت کو اختیار کرنا اور خلفا راشدین جو ہدایت پر ہیں کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اس سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اور داڑھوں کے ساتھ تھامے رکھنا

(رواه احمد ، وابوداؤد ، والترمذی ، وابن ماجه ، بحواله مشكاة المصابيح كتاب الايمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة (ح 165) وقال الاستاذ حافظ زبير على زئى حفظه الله تعالىٰ حديث صحيح رواه احمد (127,126/4ح17275) وابوداؤد (4607) الترمذی (2676) وقال حسن صحيح، وابن ماجه (43) من حديث العرباض بن سارية رضى الله عنه وصححه ابن حبان: موارد (102) والحاكم (96,95/1) وقال: هذا حديث صحيح ليس له علة ووافقه الذهبی۔

معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع بھی لازم اور ضروری ہے اور ان کی اتباع دراصل رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے کیونکہ خلفاء راشدین نبی ﷺ کی سنت ہی کی اتباع کرتے ہیں۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام بھی خلیفہ راشد ہونگے لہٰذا ان کی اتباع ہر مسلمان کے لئے لازم وضروری ہوگی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیرات کے درمیان کا وقفہ

"عن ابی ذر قال: قلت: یارسول الله ای مسجد وضع فی الارض أولا ؟قال: "المسجدالحرام" قال: قلت: ثم أی؟ قال: ثم المسجد الاقصٰی" قال قلت کم بینها ؟ قال: اربعون سنة فاینما أدرکتک الصلاة فصل فهو مسجد"

"سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اللہ (ﷺ)! سب سے پہلے زمین میں کونسی مسجد تعمیر کی گئی تھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد الحرام سب سے پہلے تعمیر کی گئی تھی راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: پھر کونسی مسجد تعمیر کی گئی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: مسجد اقصٰی (بیت المقدس) تعمیر کی گئی میں نے کہا ان دونوں (مسجد الحرام اور مسجد الاقصٰی) کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ (اے ابوذر!) زمین کے جس ٹکڑے پر جس جگہ بھی تو نماز کو پالے (جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے) نماز پڑھ وہ (ٹکڑا) مسجد ہے"۔

(تخریج: رواہ البخاری 3366 ومسلم 1520 وابن ماجه والنسائی وأحمد 150/5)

اگر کوئی کہنے والا کہہ دے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے اولین معمار سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے اور مسجد اقصٰی کے معمار سیدنا داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے سیدنا سلیمان علیہ السلام تھے ابراہیم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی درمیانی مدت میں کئی زمانے اور قرنیں گزر چکی تھیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام نبی ہوئے اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام آئے اور یعقوب علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام آئے اور ان کے کافی عرصہ بعد موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد داؤد علیہ السلام تشریف لائے اور بیچ میں اسباط واولاد ان کے علاوہ ہیں۔ نیز اس مدت میں دیگر انبیا جو کے بعد دیگرے مبعوث ہوتے رہے ان کا زمانہ بھی شمار کیا جائے تو لمبا عرصہ بنتا ہے اس تاریخی بات سے پتا چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے درمیان چالیس سال سے بہت زیادہ کا عرصہ بنتا ہے۔

تطبیق

1) حدیث میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا سوال واضع کے بارے میں ہے نہ کہ تعمیر وتأسیس کے بارے میں پس حدیث میں اسی کے مطابق جواب ملا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2) یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر داؤد علیہ السلام سے قبل دیگر انبیا نے کی ہو پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے اپنے اپنے دور میں اسکی تعمیر کی از سر نو تجدید کی ہو۔

3) ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب زاد المعاد 49/1 میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے لئے مشکل ہوگئی ہے جو اس کی مراد کو نہ سمجھ سکے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر فرمائی ہے اور ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کی درمیانی مدت کا فاصلہ ایک ہزار سال سے زیادہ ہے ان کی یہ بات جہالت پر مبنی ہے کیونکہ سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کے مجدد ہیں نہ کہ مؤسّس جس شخصیت نے اس کی اساس اور بنیاد رکھی ہے وہ یعقوب بن اسحاق ہیں تب جا کر ان کے اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان وہ مدت بنتی ہے جو حدیث میں بتائی گئی ہے۔ فلا اشکال۔

4) امام قرطبی تفسیر القرطبی 104/2 میں فرماتے ہیں:

''ان أول من بنى البيت آدم'' کعبۃ اللہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے بنایا تھا''۔

مصنف عبدالرزاق میں عطا بن ابی رباح، سعید بن مسیّب، عمرو بن دینار اور معمر جیسے جلیل القدر تابعین کے اقوال موجود ہیں کہ کعبۃ اللہ کو سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔

5) نیز حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: علامہ ابن ہشام نے اپنی کتاب 'تاریخ ابن ہشام' میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام جب کعبہ تعمیر کر چکے تو اللہ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا پس آدم علیہ السلام نے اس کو بنایا اور اس میں عبادت شروع کی۔

لہٰذا زیر بحث حدیث میں جن عمارتوں کی تعمیر کی درمیانی مدت کا ذکر ہے وہ آدم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارتیں ہیں نہ کہ ابراہیم اور سلیمان علیہما السلام کی تعمیر کردہ عمارتیں۔ پس حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

آخر میں ہم علی رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کریں گے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے۔

'اذا حدثتم رسول الله ﷺ حديثا فظنوا برسول الله ﷺ اهنا ه واتقاه واهداه'

(رواه ابن ماجه (20) وأبو داؤد الطيالسي (99) شرح مشكل الآثار 109/1)

جب میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کروں تو پھر یقین رکھو کہ اس کی رسول اللہ ﷺ سے نہایت عمدہ، زیادہ ہدایت اور بڑے تقویٰ کے ساتھ نسبت کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5) معوذتین کے بارے میں

'عن زرّ قال : قلت لابی : ان عبدالله یقول فی المعوذتین لاتلحقوا بالقران مالیس منه فقال : انی سألت عنها رسول الله ﷺ فقال :قیل لی :قل فقلت قال ابی : قال لنا رسول الله ﷺ "قولوا" فنحن نقول' (تحفه الاخیار ترتیب شرح مشکل الآثار 613/8)

''زر بن حبیش سے روایت ہے کہ میں نے ابی بن کعب سے کہا کہ عبداللہ بن مسعود معوذتین کے متعلق فرماتے ہیں۔کہ قرآن کے ساتھ وہ باتیں نہ ملاؤ جو قرآن سے نہیں۔تو ابی بن کعب نے کہا میں نے ان دونوں سورتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا''مجھ سے کہا گیا کہہ تو میں نے کہا۔ابی رضی اللہ عنہ کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا''قولو'' کہو پس ہم کہتے ہیں''۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے:

"عن ذر بن حبیش قال قلت لابی بن کعب ان ابن مسعود کان لایکتب المعوذتین فی مصحفه اشهدان رسول الله ﷺ اخبرنی جبریل علیه السلام قال له : قل اعوذ برب الفلق فقلتها فقال: قل اعوذبرب الناس فقلتها .فنحن نقول ماقال النبی ﷺ " (مسند احمد 129/5)

''سیدنا ذر بن حبیش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابی بن کعب سے کہا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے تھے۔پس انہوں نے فرمایا:میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی کہ جبریل علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ''قل اعوذ برب الفلق''پس میں نے اس طرح کہا۔پھر انہوں نے فرمایا:قل اعوذ برب الناس میں نے اسی طرح کہا۔یعنی ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔پس ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کہا''۔(یعنی ہم بھی ان سورتوں کو اسی طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو پڑھا۔)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کچھ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔کہ جس کی مثل دوسری آیتیں نہیں دیکھی گئی ہیں''وہ معوذتین ہیں''۔سنن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ نے **قل اعوذ برب الفلق** کو آخر تک پڑھا اور **قل اعوذ برب الناس** کو بھی آخر تک پڑھا۔ (ح5440) سنن نسائی کی ایک دوسری روایت اس طرح ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے جابر پڑھو میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں اے اللہ کے رسول ﷺ میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھو۔ میں نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان سورتوں کے مثل تم نے نہیں پڑھا۔ (سنن النسائی کتاب الاستعاذہ باب 1 ح5441) (یعنی استعاذہ کے لحاظ یہ سورتیں بڑی عظیم سورتیں ہیں اور استعاذہ کے ضمن ایسی سورتیں پورے قرآن مجید میں موجود نہیں۔) (تخریج : رواہ مسلم (814) والنسائی (ح 5440) ،واحمد (152/4) ،والترمذی ،والدارمی ،والطبرانی)

تطبیق

1) امام طحاوی فرماتے ہیں ابی بن کعب کی حدیث سے معوذتین کا قرآن ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرآن سے باہر ہونا پھر ہم نے اس باب میں عقبہ بن عامر کی روایت و دیگر روایات پر غور کیا تو تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ معوذتین قرآن میں سے ہے پس تمام روایات میں اتفاق ہو گیا۔ فلا اشکال۔

2) حافظ بزار نے اپنی مسند 29/5 میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود اپنی اس رائے میں بالکل منفرد ہیں صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے اس قول کی تائید نہیں کی۔

3) تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے اتفاق سے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا جو نسخہ مرتب کروایا تھا اور خلافت اسلامیہ کی طرف سے جن کو دنیائے اسلام کے مراکز میں سرکاری طور پر بھیجا تھا ان میں یہ دونوں سورتیں مذکور تھیں۔

4) نبی کریم (ﷺ) کے عہد مبارکہ سے آج تک تمام دنیائے اسلام کا جس مصحف پر اجماع ہے اس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔

5) چوتھی صورت رسول اللہ (ﷺ) سے صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ آپ نے ﷺ ان سورتوں کو نماز میں خود پڑھا ہے۔ اور دوسروں کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ عبداللہ بن مسعود کا سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سے انکار نہیں تھا بلکہ ان سے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا قرآن ہونا ثابت ہے کیونکہ سیدنا عاصم کی قرأت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوعبدالرحمٰن سلمی زر بن حبیش اور ابوعمر الشیبانی سے منقول ہے اس میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس موجود ہیں کیونکہ یہ وہ قراءتیں ہیں جو عبداللہ بن مسعود سے ثابت ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قراءت کا انکار کرتے تھے درست نہیں۔

(6) کھانا اپنی جگہ سے کھانا

"عن عمرو بن ابی سلمة انه دخل علی رسول الله ﷺ وعنده طعام فقال :ادنه یا بنی ،فسم الله عزوجل و کل بیمینک و کل ممایلیک".

"سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے آپ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا قریب ہو جاؤ اے میرے بیٹے اللہ کا نام لے اور اپنے سیدھے ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھاؤ"۔(تخریج : وھو فی السنن الکبری کما فی التحفة (1857)وابن السنی والطبرانی من طریق روح بن قاسم)

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

"عن اسحق بن عبدالله بن ابی طلحه انه سمع انس بن مالک یقول : ان خیاطا دعا رسول الله ﷺ لطعام صنعه ، قال انس بن مالک فذ هبت مع رسول الله ﷺ الی ذالک الطعام فقرب الی رسول الله ﷺ خبزا ومرقا فیه دباء وقدید قال انس : فرأیت النب ﷺ یتتبع الدباء من حوالی القصعة فلم ازل احب الدباء من یومئذ "

"اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ انہوں نے انس بن مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک درزی نے کھانا تیار کر کے نبی کریم ﷺ کو دعوت دی انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کھانے میں شریک ہوا آپ ﷺ کے سامنے جو کی روٹی اور کدّو کے ساتھ خشک کیا ہوا گوشت کا شوربا رکھا گیا انسؓ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کدّو کو برتن کے اردگرد سے تلاش کر کے کھا رہے تھے"۔ (تخریج :رواہ البخاری (2092)مسلم (2041)والترمذی (1851)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تطبیق

1) امام طحاوی فرماتے ہیں عمرو بن سلمہ کی روایت میں ممانعت کی وجہ عمرو بن سلمہ کا کسی اور کے ساتھ کھانے کی وجہ سے ہے اور انسؓ کی حدیث میں چونکہ آپ اکیلے کھا رہے تھے اس لئے آپ نے برتن کے ارد گرد سے بھی کھانا تناول فرمایا پس دونوں حدیثوں میں کوئی اشکال نہیں۔ شرح مشکل الآثار 151/1 کے اسی صفحہ کے حاشیہ میں عظیم محقق شعیب الارانؤوط کہتے ہیں کہ اس تطبیق میں نظر ہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر کھایا تھا۔

ابن بطان فرماتے ہیں: اصل میں انسان جب اپنے اہل وعیال اور اپنے خادموں کے ساتھ کھا رہا ہو تو اس کے لئے درست ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق پسندیدہ چیزیں چن کر کھائے بالخصوص اس کو علم ہو کہ اس کے گھر والے اس عمل کو ناپسند نہیں کریں گے۔ اگر اس کے گھر والے یا خادم اس بات کو ناپسند کرتے ہوں تو اس صورت میں وہ صرف اپنے پاس سے ہی کھا سکتا ہے۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ میرے ادھر ادھر سے کھانے کو کوئی بھی ناپسند نہیں کرے گا اس لئے آپ ﷺ نے برتن کے آس پاس سے بھی کھانا تناول فرمایا۔

2) بعض کہتے ہیں کہ پہلی روایت میں جو حکم ہے وہ اجتماعی طور پر کھانا کھانے کے متعلق ہے۔ جبکہ دوسری روایت انفرادی طور پر کھانا کھانے کے متعلق ہے۔ اس روایت میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کی ایک سنت کو نقل فرمایا اور وہ یہ کہ آپ کو کدو سبزیوں میں کس قدر پسند تھا اور پسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ آپ پورے برتن میں سے کدو کو تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے اور اسی دن سے خادم رسول ﷺ نے بھی اس سنت کو اختیار کر لیا انہوں نے دراصل اس حدیث کے ذریعے اس مسئلہ کو واضح کرنا چاہا ہے۔

(7) خودکشی کے بارے میں

عن ابی هريرة قال قال النبی ﷺ قال: الذی يخنقها يخنق نفسه فی النار.

والذی يطعنها يطعنها فی النار.

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو گلا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھونٹ کر مارے وہ آگ میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو شخص اپنے آپ کو زخمی کر کے مارے گا وہ آگ میں بھی اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا''۔ (تخریج : رواہ البخاری (1365)

اور مسند احمد میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

'' الذی یطعن نفسه انما یطعنها فی النار والذی یتقحم فیها ، یتقحم فی النار ، والذی یخنق نفسه یخنقها فی النار ''(435/2)

اس حدیث کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہے صرف ایک زائد جملہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ''اور جو شخص اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر (تشدد کے ذریعے) ہلاک کرے گا وہ جہنم میں بھی اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتا رہے گا''۔یعنی اپنے آپ پر تشدد کرتا رہے گا۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے:

''عن جابر ان الطفیل بن عمروالدوسی اتی النبی ﷺ ،فقال: یارسول الله ﷺهل لک فی حصن حصین ومنعته؟ قال حصن کان لدوس فی الجاهلیة فابی ذالک النبی ﷺ للذی ذخرالله للانصار فلما هاجر النبی ﷺ الی المدینة هاجر الیه الطفیل بن عمرو و هاجرمعه رجل من قومه فاجتووا المدینة فمرض فجزع فاخذ مشاقص له فقطع بها براجمه فشخبت یداه حتی مات فراه الطفیل بن عمروفی منامه فرأه وهیئته حسنة ورآه مغطبا یدیه فقال له ماصنع بک ربک ؟فقال: غفرلی بهجرتی الی نبیه ﷺفقال له: مالی اراک مغطبا یدیک ؟فقال قیل لن نصلح منک ماافسدت فقصها الطفیل علی رسول الله ﷺ فقال النبی ﷺ اللهم ولیدیه فاغفر'' (تخریج:رواہ احمد (370/3)وابویعلی (2175)مسلم (116)ولفظه لمسلم)

''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے اے اللہ کے رسول کیا آپ مضبوط قلعہ میں پناہ لینا چاہتے ہیں؟ اس کے پاس زمانہ جاہلیت کے دور کا ایک قلعہ تھا ۔تو نبی کریم ﷺ نے اس لئے انکار کیا کہ وہ اجر انصار کے لئے اللہ تعالیٰ نے چھپا کر رکھا تھا۔ جب آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کے پیچھے عمرو بن طفیل نے بھی ایک آدمی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی لیکن مدینہ کی آب وہواس شخص کوراس نہ آئی تو وہ بیمار پڑ گیا اور صبر نہ کر سکا۔ پس اس نے اپنے تیز دھارے والے تیر کو پکڑ کر اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ ڈالا اور اس کے ان جوڑوں سے ایک مدت تک خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گیا طفیل بن عمرو نے اس کو خواب میں اچھی حالت میں دیکھا اور طفیل نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو چھپائے ہوئے ڈھانپے ہوئے ہے۔ پس طفیل نے اس سے کہا کہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس آدمی نے کہا نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے گناہوں کو معاف کر دیا۔ طفیل نے کہا پھر تو نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کیوں ڈھکا ہوا ہے۔ تو اس آدمی نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ جسے تو نے خود خراب کیا ہے اس کی ہم اصلاح نہیں کریں گے۔ تو طفیل بن عمرو نے یہ واقعہ اللہ کے رسول ﷺ کو سنایا پس رسول ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی معاف فرمادے"۔

تطبیق

امام طحاوی رحمہ اللہ شرح مشکل الآثار 185/1 میں فرماتے ہیں ہمارا جواب ان دونوں حدیثوں میں یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ آدمی نے علاج کی نیت سے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹا تھا تاکہ اس کا باقی بازو سلامت رہے یہ فعل مذموم نہیں اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس کے ہاتھوں پر کوئی پھیلنے والی بیماری لگ جاتی ہے اگر یہ انہیں نہ کاٹے تو اس کا سارا جسم ضائع ہوسکتا ہے۔ پس اسے اجازت ہے کہ یہ فعل کرے۔ ہاں اگر وہ سمجھتا ہے کہ بغیر کاٹے بھی علاج ممکن ہے پھر اسی حالت میں مرجاتا ہے تو اسے کوئی ملامت اور عتاب کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ پس اس مسئلہ (علاج) میں اور خودکشی میں بڑا فرق ہے کیونکہ انما الاعمال بالنیات 'اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے پس دونوں حدیثوں میں کوئی اشکال نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آدمی کا کوئی قصور نہیں تھا تو پھر آپ ﷺ نے اس کے ہاتھوں کی مغفرت کی دعا کیوں فرمائی؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعا اس کے لئے اشفاق اور اللہ کے اس خوف کی وجہ سے تھا جو آپ کے دل میں موجود تھا۔ جیسا کہ مسند احمد (1444/4) وابن حبان (2431) وغیرہ میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے والد حصین کو اسلام لانے کے بعد یہ دعا سکھائی تھی:

"قل : اللهم اغفرلی ماأسررت وماأعلنت وماأخطأت وما غمرت ، وما جهلت وماعلمت"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس دعا میں آپ ﷺ نے حصین کو ان خطاؤں کی مغفرت مانگنے کا بھی حکم دیا جن پر مواخذہ نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: ''**لیس علیکم جناح فیما اخطاتم به ولکن ما تعمدت قلوبکم** '' (الاحزاب: 5) نہیں ہے تم پر کوئی گرفت ان باتوں میں جو کہہ دیتے ہو تم نادانستہ لیکن وہ بات جس کا تم ارادہ کرو اپنے دل سے (اس پر گرفت ہے۔) عمران کے والد حصین کو بھی آپ نے اللہ کی رہبت و تعظیم اور اس کے خوف سے کہ کہیں مخطی ان سے درحال خطا گناہ کی طرف میلان نہ ہو جائے یہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس لئے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی آپ نے اس شخص کے ہاتھوں کے لئے اس مقصد کے پیش نظر دعا فرمائی۔ نصوص کو ایک دوسرے سے ملا کر اگر بات کو سمجھا جائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

اس حدیث کو اگر اس بات پر محمول کیا جائے اور جیسا کہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے ناقابل برداشت تکلیف کی وجہ سے خودکشی کر لی تھی اور چونکہ خودکشی کبیرہ گناہ ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے خلود فی النار نہیں ہے۔ اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے کیونکہ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو بھی معاف کرنا چاہے گا معاف فرما دے گا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کے کتاب الایمان میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ''**الدلیل علی ان قاتل نفسه لایکفر**'' یعنی اس بات کی دلیل کہ خودکشی کرنے والا کافر نہیں ہے اور اس باب کے تحت فرماتے ہیں: اس حدیث میں اہل السنۃ کے لئے ایک عظیم قاعدہ کی دلیل ہے کہ خودکشی کرنے والے نے ایک معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور اگر وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ کافر نہیں اور نہ ہی اس سے جہنم کی آگ منقطع ہوگی بلکہ وہ مشیت کے حکم میں داخل ہے''۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی (74/1)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کے کتاب الجنائز کے باب (83) **ما جاء فی قاتل النفس** کے تحت لکھتے ہیں: ''اہل السنۃ نے ان روایات کا یہ جواب دیا ہے کہ دوسری روایت میں خودکشی کرنے والے کے لئے ابدی جہنمی ہونے کا ذکر نہیں ہے اور یہ بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح روایات اس کی تائید کرتی ہیں کہ اہل توحید عذاب دیئے جائیں اور پھر وہ جہنم سے نکالیں جائیں گے اور وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور ان احادیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ جو شخص خودکشی کو اگر حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے اور کافر کے لئے جہنم ابدی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان احادیث میں زجر اور تغلیظ بیان کی گئی ہے اور حقیقت میں وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کی جزاء تو یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ موحدین کی تکریم کرے گا اور توحید کی بناء پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں جہنم سے نکالے گا۔(فتح الباری بشرح صحیح البخاری ج 3ص227)

خودکشی ایک ایسا مذموم فعل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھی۔(سنن نسائی ح 1964، سنن ابن ماجہ ح 1526) لہٰذا اہل علم پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں البتہ عام لوگ جنازہ پڑھ لیں۔

(8) میت پر نوحہ کرنا

"عن ابن عمر عن عمر بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: المیت یعذب بما نیح علیه". (سنن ابن ماجه (1593) سنن الترمذی (1004)

''میت کو اس پر نوحہ کیا جانے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے''۔

جبکہ دوسری حدیث میں ہے:

"عن عائشة قالت : انما کانت یهودیة ماتت . فسمعهم النبی یبکون علیها قال: فان اهلها یبکون علیها و انما تعذب فی قبرها " (سنن ابن ماجه (1595)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ایک یہودیہ عورت مرگئی آپ ﷺ نے اس پر رونے کی آواز سن کر ارشاد فرمایا اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہیں اور بے شک اسے اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے''۔

تطبیق

یہ دونوں حدیث بظاہر متضاد ہیں اور قرآن پاک کی اس آیت کے بھی خلاف ہیں ''ولا تزر وازرة وزر اخری'' یہ کہ نہیں اٹھاتا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔ جب یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنی تو آپ نے فرمایا اللہ عمرؓ پر رحم کرے انہوں نے غلط بیانی نہیں کی لیکن انہیں وہم ہوا ہے کیا انہوں نے قرآن پاک کی یہ آیت نہیں سنی ''ولا تزر وازرة وزر اخری'' (النجم 38)

اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ان اللہ لیعذب المؤمن ببکاء احد 'بیشک اللہ تعالیٰ مؤمن پر کسی دوسرے کی نوحہ کی وجہ سے عذاب کرتا ہے۔ بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ ان اللہ یزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ ۔اللہ تعالیٰ کافر پر اس کے اہل کی نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب زیادہ کر دیتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کیا سمجھیں اور عمر رضی اللہ عنہ کی انہوں نے کیوں تردید کی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کان من عادۃ العرب الوصیۃ بذالک ومنہ قول طرفۃ العبد اذامت فانعینی بما انا اھلہ وشقی علی الجیب یاابنۃ معبد ''(الفتح الربانی 126/7)

''اہل عرب کی عادت تھی کی وہ اپنے اہل کو باقاعدہ نوحہ کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے جیسا کہ طرفۃ العبد کا یہ قول ہے کہتا ہے: اے معبد کی بیٹی جب میں مرجاؤں تو مجھ پر ایسا نوحہ کرنا جس کا میں اہل ہوں جو میرے لئے مناسب ہے یا میرے لائق ہے اور میرے مرنے کے غم میں میرا گریبان چاک کر دینا''۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ میں نے کافر سے متعلق تو یہ سنا ہے کہ اس کو عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے ہاں نوحہ کرنے کی وصیت کی جاتی ہے لہٰذا اس وصیت کا عذاب ان کو ہوگا لیکن مومن تو ایسا نہیں کرسکتا لہٰذا اس پر اس کے اہل کا بوجھ کس طرح پڑے گا مگر عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے وہ عام ہے مومن ہو یا کافر جو شخص بھی اپنے اہل کو نوحہ کرنے کی وصیت کرے گا چاہے وہ مومن ہو یا کافر اس پر عذاب ہوگا۔

نیز یہ بات قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے کہ جو بھی شخص غلط وصیت کر کے جائے گا وہ شخص اس کا عذاب اٹھائے گا۔

صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ ''منۃ المنعم ''میں فرماتے ہیں: ''اس روایت کے معنی کے بارے میں بہت اختلاف اور اقوال ہیں کہ میت کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائیگا یا نہیں۔بعض کا کہنا ہے کہ مطلقاً عذاب ہوگا یا اس کو قیود کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اگر یہ شروط وقیود موجود ہوئے تو عذاب ہوگا اس بارے میں آخری قول صحیح ہے کیونکہ ابن عمر کی حدیث میں بعض طرق یہ بھی ہیں کہ: ''من ینح علیہ فانہ یعذب بمانیح علیہ'' جیسا کہ ابن ابی شیبہ میں موجود ہے''۔

پس یہ روایت نیاحت کے ساتھ خاص ہے۔تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا جس روایت میں مطلقاً رونے کا ذکر ہے اس کو نیاحت کے ساتھ رونے پر محمول کیا جائے گا اس کی موئد وہ روایت ہے جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن عمر سے مروی ہے: ' ان المیت لیعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ ' تو اس بعضیت کو نوحہ کے ساتھ رونے پر محمول کیا جائے گا اس طرح احادیث میں تطبیق ہو جائے گی کوئی اختلاف نہیں رہے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ''ولا تزروازرۃ وزراخری'' کو مومن کے ساتھ خاص فرمایا ہے جبکہ کافر پر نوحہ کرنے سے اس کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر اس آیت کو مطلق رکھا جائے تو پھر کافر پر بھی نوحہ کی وجہ سے عذاب نہ ہونا چاہیئے سیدنا عمر اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو روایات بیان فرمائی ہیں اس طرح کی روایات دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ احادیث میں میت پر آنسوؤں کے ساتھ رونے کی مماثلت نہیں ہے بلکہ اسے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ جس چیز کی مماثلت ہے وہ آواز کے ساتھ بین کرنا اور نوحہ کرنا ہے اور احادیث میں نوحہ کو جاہلیت کے دور کا کام قرار دیا گیا ہے اگر کوئی شخص نوحہ کی وصیت کر جائے یا نوحہ کو پسند کرے اور اسے درست تصور کرے تو اسے اس کے گھر والوں کی وجہ سے عذاب ہوگا البتہ جو شخص اس بات کی وصیت کر جائے کہ اس پر نوحہ نہ کیا جائے یا جو نوحہ کو ناپسند اور حرام سمجھتا ہو تو اسے کسی کے نوحہ کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایسے شخص کو لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی باب قائم کر کے اس مفہوم کو واضح کیا ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ اذا کان النوح من سنتہ....''

نبی ﷺ کا فرمایان: ''میت کو اس کے بعض اہل کے نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور یہ بات تب ہے کہ جب نوحہ کرنا ان کا طور وطریقہ ہو۔۔۔۔۔''

اور اگر نوحہ کرنا ان کا طریقہ نہ ہو تو پھر یہی بات ہے کہ جس کی وضاحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے۔ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے۔ اور رونے کی جو رخصت دی گئی ہے وہ نوحہ کے علاوہ ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص جو ظلماً قتل کرتا ہے تو اس کا ایک حصہ آدم کے بیٹے (قابیل) کو بھی جاتا ہے اس لئے کہ اس نے قتل کی اس سنت کو جاری کیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب نمبر 32)نیز ملاحظہ فرمائیں:بخاری کتاب الجنائز، سنن نسائی ایضاً)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(9) جماعت میں نماز پڑھنا یا اکیلے نماز پڑھنے کے بارے میں

"عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة"

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کی نماز اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے"۔

(رواه المؤطا(129/1)واحمد والبخاری (645)ومسلم (650)والنسائی وابوعوانه وابن حبان والبیهقی والبغوی والشافعی ،الترمذی وابن ماجه ،ابن خزیمه (1471)

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

"عن ا بی هريرة ان رسول الله ﷺ قال : صلاة الجماعة افضل منه صلاة احدكم وحده بخمسه وعشرين جزء اً"

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماعت کی نماز تم میں سے ایک کے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے"۔

(رواه المؤطا(129/1)واحمد ومسلم (649)والترمذی (216)واحمد ابوعوانه والبیهقی والبغوی (786)وابن حبان (2053)

تطبیق

1) امام طحاوی مشکل الآثار 135/3 میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے باجماعت نماز کی فضیلت انفرادی نماز سے پچیس درجہ زیادہ رکھی تھی جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ کی حدیث میں ہے پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس اجر کو بڑھا کر ستائیس درجہ کر دیا یعنی دو جز کا اضافہ ہو گیا۔ جیسا کہ ابن عمر کی حدیث میں مذکور ہے۔

2) دوسرا جواب یہ ہے کہ پچیس ستائیس میں داخل ہے جسطرح قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **"واذ وٰعدنا موسیٰ اربعين ليلة ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظالمون"**۔(البقرة 51/2)

"اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنایا تم نے بچھڑے کو (معبود) موسیٰ کے بعد اور تم ظلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کررہے تھے"۔اوردوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

"وو عدنا موسیٰ ثلٰثین لیلة واتممناھا بعشر فتم میقات ربه اربعین لیلة.الخ

"اور وقت ملاقات مقرر کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتیں اور اضافہ کردیا ہم نے اس میں دس کا اس میں پوری ہوگئی مقرر کردہ مدت اس کے رب کی چالیس راتیں"۔الخ

حالانکہ ادھر بھی تیس کا عدد چالیس میں شامل ہے۔

نوٹ:بعض علما پچیس کی تعداد کو راویوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے راجح قرار دیتے ہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ستائیس کی روایت راجح ہے کیونکہ اس میں عادل وثقہ راوی کی زیادتی ہے۔واللہ اعلم!

(10) نبی کریم ﷺ کی عمر کے بارے میں

"عن ربیعة بن بن ابی عبدالرحمن ،عن انس بن مالک، انه سمعه یقول: کان رسول الله ﷺ لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر،ولیس بالابیض الامهق ولا بالآدم ولا باجعد القطط ، ولا بالسبط، بعثه الله علی رأس اربعین سنة فاقام بمکة عشر سنین وبالمدینة عشر سنین وتوفاه الله علی رأس ستین سنة ولیس فی رأسه ولحیة عشرون شعرة بیضاء" (رواہ مسلم2347)

"سیدنا انس بن مالک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نہ بہت لمبے تھے نہ ٹھگنے اور نہ چونے کی طرح سفید تھے اور نہ بہت گندمی اور نہ آپ کے بال بہت زیادہ گھنگریالے تھے اور نہ بہت زیادہ سیدھے چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا کی پھر نبوت کے بعد آپ دس برس مکہ میں رہے اور دس برس مدینہ میں رہے اور ساٹھ برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ ہونگے"۔

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

"عن ابن عباس قال:اقام رسول الله ﷺ بمکة ثلاث عشرة سنة یوحی الیه وبالمدینة عشرا وفات وهو ابن ثلاث وستین" (رواہ مسلم(2351)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیرہ سال مکہ میں رہے آپ پر وحی نازل کی جاتی تھی اور دس سال مدینہ میں رہے اور آپ ﷺ تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے''۔

تطبیق

(1) ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے ایک روایت میں آپ کی وفات کے وقت کی عمر 63 سال اور دوسری میں 60 سال بتایا گیا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں دہائیوں کا ذکر مقصود ہے۔ اور کلام عرب میں بعض اوقات دہائیوں کا ذکر کر کے اکائیوں کا ذکر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 215/2)

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وارسلنا الی مائة الف اویزیدون''. (صٰفٰت 147/37)

''ہم نے بھیجا یونس علیہ السلام کو ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف''۔

اس آیت میں یہ مقصود نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تعداد معلوم نہیں تھی بلکہ عرب کا طرز کلام یہ ہے۔

(2) عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی عمر 63 سن عیسوی کے حساب سے بتائی ہو اور انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی عمر سال ھجری کے حساب سے بتائی ہو اور یہ ایک معروف بات ہے کہ سن ھجری سن عیسوی کے مقابلے میں ہر سال دس دن کم ہوتا ہے۔

(3) امام صفی الرحمٰن مبارکفوری منۃ المنعم کے صفحہ 54,53 میں فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مکی دور کے لئے ۱۰ سال کا قول یہ جمہور کے خلاف ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کبھی نبوت کے ابتدائی سال کو بھی شمار کر لیا اور ہجرت کے ابتدائی سالوں کو بھی تو اس صورت میں دس سال ہو جائیں گے اور کبھی کبھی دقت سے گنتے تھے تو مکی دور کو ۱۳ سال شمار کرتے تھے کیونکہ مجموعہ سنوات اس مقدار سے تجاوز نہیں کرتیں۔

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں 60 سال ذکر ہے تو ہم یہ کہیں گے آپ کی عمر میں اختلاف مکی دور کے سالوں میں اختلاف کی وجہ سے ہے پس اگر مکی دور کے عہد کو دس سال روایت کیا جائے تو آپ ﷺ کی عمر 60 سال اور اگر 13 سال ذکر کیا جائے تو 63 بنتی ہے۔

لیکن جمہور علماء 63 سال کو راجح قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ صحیحین کی روایت ہے نیز عائشہ رضی اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عنہا سے مروی ہے اسی بنیاد پر یہی روایت معروف ہے کہ آپ مکہ میں 13 برس رہے۔

(11) غسل جنابت کے بارے میں

"عن ابی سعید عن النبی ﷺ انه قال الماء من الماء"

"سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانی پانی سے ہے (مطلب یہ ہے کہ غسل جنابت منی کے نکلنے سے ہے ورنہ نہیں۔) (رواہ الترمذی، واحمد (115/5) وابن ماجہ (606) وابو داؤد)

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

"عن ابی هریرة ان نبی الله ﷺ قال: اذاجلس بین شعبها الأربع ثم جهد ها فقد وجب علیه الغسل ،وفی روایة مطر "وان لم ینزل"

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں میں بیٹھ کر کوشش کرے تو تحقیق اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے مطر کی روایت میں ہے "کہ اگر چہ انزال نہ ہو"۔ (رواہ الترمذی والنسائی والطبرانی واحمد ومسلم (348)

تطبیق

بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے حقیقت اس کے برعکس ہے پہلی حدیث جس میں مطلق غسل کا حکم ہے وہ منسوخ ہے اور وہ حدیث جس میں مباشرت کا ذکر ہے وہ ناسخ ہے اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ "وان لم ینزل" اس مسئلہ کی توضیح کے لئے کافی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی روایت کا تعلق مباشرت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انزال عدم مباشرت سے ہے یعنی رات میں احتلام ہو جانا وغیرہ جبکہ دوسری روایت کا تعلق خاص مجامعت ومباشرت سے ہے جو میاں بیوی کے آپس میں تعلق قائم کرنے سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ عائشہ رضی اللہ کی روایت میں ہے " **اذاجاوز الختان الختان فقدوجب الغسل**" تو جب ختنہ ختنہ سے مل جائے تو اس وقت غسل واجب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مطلق منی کے نکلنے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی غسل واجب نہیں ہوتا کیونکہ بعض دفعہ جریان کی وجہ سے بھی منی نکلتی رہتی ہے یہاں منی نکلنے سے مراد جوش کی حالت میں جب اچھل کر منی نکلے تو تب غسل واجب ہوتا ہے۔

(12) ''لو'' اگر کسی کام میں کہا جائے تو کیسا ہے؟

''عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: المؤمن القوی خير وأحب الی الله من المؤمن الضعيف وفی كل خير احرص علی ماينفعک ولاتعجز فان فاتک شئی فقل قدر الله وماشاء فعل واياک واللو فانها تفتح عمل الشيطن''

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقتور مؤمن اللہ کے نزدیک کمزور مؤمن سے بہتر اور پسندیدہ ہے اور ہر ایک (کمزور، مؤمن اور طاقتور مؤمن میں بھلائی ہے اس چیز پر حرص رکھ جو تجھے فائدہ دیتی ہے اور عاجز نہ آنا اگر کوئی چیز تجھ سے رہ جائے (یعنی نقصان وغیرہ پہنچے) تو کہہ اللہ نے تقدیر میں لکھا تھا اور جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اور لو کہنے سے بچو اس لئے کہ یہ شیطان کا عمل (کام) کھول دیتی ہے''۔ (رواہ مسلم (2664) وابن ماجہ (79) وابن ابی عاصم (356) ورواہ ابو نعیم فی الحلیۃ (296/10)

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

''عن ابی كبشة الأنماری قال ضرب لنا رسول الله ﷺ مثل الد نيامثل أربعة رجل اتاه الله مالا واتاه علما فهو يعمل بعلمه فی ماله ورجل اتاه الله علما ولم يؤته مالا فهو يقول لو ان الله اتانی مثل ماآتی فلانا لفعلت فيه مثل الذی يفعل فهما فی الأجر سواء ورجل اتاه الله مالا ولم يؤته علما فهو يمته من حقه وينفقه فی الباطل ورجل لم يؤته الله مالا ولم يؤته علما فهو يقول: لو أن الله أتانی مثل ماآتی فلانا لفعلت فيه مثل مايفعل فهما فی الوزرسواء''

''ابو کبشہ انماری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے دنیا کی مثال چار آدمیوں سے دی ہے: (1) ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت اور علم ''شرعی'' سے نوازے پس وہ شخص اپنے علم کی بدولت اپنے مال میں عمل (یعنی تصرف) کرتا ہے (علم پر عمل کرتا ہے اور اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) وہ آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا ہے مگر اسے مال نہیں دیتا پس وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فلاں کے جیسا مال عطا کرے تو میں اسی طرح کروں گا جس طرح وہ کرتا ہے (یعنی اس طرح خرچ کرونگا جس طرح وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔) پس یہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ (3) اور وہ آدمی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطاء کیا لیکن اسے علم نہیں دیا پس وہ اپنے مال کو خیر کاموں میں خرچ نہیں کرتا بلکہ باطل کے کاموں میں لگاتا ہے۔ (4) وہ آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت نہیں دیتا اور اسے علم بھی نہیں دیتا پس وہ کہتا ہے اگر اللہ پاک مجھے فلاں (گناہ گار) کی طرح کردے تو میں اسی طرح کرونگا جس طرح وہ کرتا ہے۔ تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ ((رواہ احمد 230/4 وابن ماجہ (2328) ورواہ ابوعوانہ فی صحیحہ والترمذی مع زیادۃ فی اولہ (2325)

تطبیق

دونوں حدیثیں بظاہر متعارض نظر آرہی ہیں پہلی روایت میں لفظ ''لو'' (اگر یا کاش) کہنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کو ایک شیطانی عمل سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ دوسری روایت میں اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کی تحسین بیان کررہے ہیں جو لفظ ''لو'' (اگر یا کاش) کہہ رہا ہے اور آپ اس کو اجر و ثواب کی نوید بھی سنا رہے ہیں۔

1) دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس حدیث میں لفظ ''لو'' کہنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ہے کہ انسان کو کوئی نقصان وغیرہ پہنچے یا اس سے کوئی چیز فوت ہوجائے جس کا تعلق امر مذموم سے ہو تو وہاں لفظ ''لو'' کہنا ممنوع ہے۔

اور جس حدیث میں لفظ ''لو'' کہنے والے کی تحسین بیان ہوئی ہے اس کا تعلق ممدوح عمل سے ہے جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کسی کام سے فوت ہونے پر کاش یا اگر وغیرہ کہنے کو شیطانی عمل قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے مگر جب اچھے عمل کی تمنا کی گئی تو اللہ کے نبی ﷺ نے لفظ ''لو'' کے استعمال پر نہ صرف تحسین فرمائی بلکہ اس کو اجر کی خوشخبری بھی سنائی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حسد کو قابل مذمت قرار دیا جس کا تعلق امر مذموم سے ہے جبکہ دوسری روایت میں حسد (غبطہ) کو قابل تحسین قرار دیا ہے کہ جس میں ایک شخص اللہ کی رضا کے لئے نیک عمل کے لئے حسد کرتا ہے۔ اور یہاں غبطہ کے معنی میں آیا ہے غبطہ کا مطلب ہے کسی پر شک کرنا اور عمل نیک میں ریس کرنا۔

2) امام طحاوی مشکل الآثار میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں پھر ہمارے لئے یہ واضح ہوگیا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''لو'' ''اگر'' ہر چیز میں مکروہ نہیں کیونکہ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں بعض امور پر اس کی اباحت کا تذکرہ کیا ہے وہ اللہ کا وہ فرمان ہے جو اپنے نبی سے کسی کے قیامت کے بارے میں پوچھنے پر کیا ہے۔

''ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السؤ'' (الاعراف ۔آیت 188)

ابو کبشہ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ لو ہر جگہ محذر نہیں ہے۔ پھر ہم نے ذرا تأمل سے کام لیا تا کہ ان مقامات سے ہم آگاہ ہو جائیں جن میں ''لو'' کہنا مکروہ ہے پھر ہم نے کتاب اللہ کے مندرجہ ذیل مقامات پر پایا کہ اللہ نے بعض اقوام کو ''لو'' کہنے پر مذمت فرمائی ہے۔ سورہ آل عمران آیت 154 تا 156 میں یہ سارے مقامات موجود ہیں الزمر 56 تا 59 میں بھی موجود ہے تو قرآن پاک کی ان آیات سے پتہ چلا کہ ''لو ات'' ہر جگہ مذموم نہیں ہے بعض مقام پر مذموم اور بعض مقام پر ممدوح ہے پھر ہم نے عرب کو پایا کہ وہ ''لو'' کی مذمت اسے ٹھہراتے ہیں عرب کہتے ہیں ''احد لوا'' ''لو'' کہنے سے بچو عرب کا مقصد اس سے یہ ہے کہ کوئی انسان کہے کہ ''لو عطمت ان ھذا تلخفی لعملت خیرا '' صفی الرحمٰن مبارکپوری منۃ المنعم میں 226/4 میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حدیث میں ''لو'' کہنے کی مخالفت اس وقت ہے جب آدمی افسوس اور حیرت سے اللہ کی تقدیر میں جو بات واقع ہو چکی ہے کہ متعلق یہ کہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں تدبیر میں یہ غلطی نہیں کرتا تو ناپسندیدہ بات بھی واقع نہیں ہوتی بلکہ تقدیر کے برخلاف واقع ہوئی۔ اگر لو کے کلمے کو اس طرح کے مقام پر ذکر کیا جائے تو اس سے دل میں تقدیر کی تعارضت واقع ہو جائے گی تو شیطان بھی وسوسہ کرے گا۔ (اور اپنا کام شروع کرے گا)

(13) عورت کا نابینا شخص سے پردہ کرنا کیسا ہے؟

''عن نبھان مولیٰ ام سلمة أن ام سلمة اخیرته انها کانت عندرسول الله ﷺ وميمونة قالت فبينما نحن عنده اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیه وذالک بعد أن أمر بالحجاب فقال رسول الله ﷺ ''احتجبا منه'' فقلنا یا رسول الله الیس هو اعمی لایبصرنا ولایعرفنا ؟فقال رسول الله ﷺ أفعمیاان انتماألستما تبصرانه''

(اسناد ضعیف رواہ النسائی فی الکبری ۔کما فی تحفة 35/13)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ام سلمہ کے مولی (آزاد کردہ غلام) نبہان سے روایت ہے کہ ام سلمہ نے ان کو خبر دی کہ وہ اور میمونہ نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں کہتی ہیں ہم آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اچانک عبداللہ بن ام آئے اور آپ کے پاس داخل ہوگئے یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے پس آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں اس سے (عبداللہ) پردہ کرو تو ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا وہ نابینا نہیں ہیں نہ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے (اس بات کے جواب میں) ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں اندھی ہو جو اسے دیکھ نہیں سکتی ہو''۔ (یعنی تم تو بینا ہو اسے دیکھ سکتی ہو پس اس سے پردہ کرو)

جبکہ دوسری روایت اس طرح ہے:

''عن عائشة قالت رأيت رسول الله ﷺ يسترني بردائهوانا انظر الى الحبشة وهم يلعبون وانا جارية فاقدروا قدر الجارية العربة الحدية السن''

''عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اللہ کے نبی ﷺ کو بچشم خود مشاہدہ کیا آپ نے مجھے اپنی چادر میں پردہ کیا ہوا تھا اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی اس حال میں وہ کھیل رہے تھے اور ایک کھیل کھود سے محبت رکھنے والی دوشیزہ نوعمر نئی نویلی کو کتنا شوق ہوسکتا ہے تم اندازہ اور قیاس کرلو اس کے باوجود میں تھک کر چلی جاتی تھی اور آپ جو حسن خلق اور حسن معاشرت کے پیکر تھے رؤف ورحیم شفیق مہربان ذات تھکتے نہیں تھے آخر تک کھڑے رہتے تھے''۔ (رواه الترمذی والنسائی والطبرانی واحمد ومسلم (348)

تطبیق

دونوں حدیثوں میں تعارض ہے کہ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کو نامحرم شخص سے پردے کا حکم دے رہے ہیں جبکہ دوسری روایت میں آپ کی ایک زوجہ آپ کے ساتھ ہے بعض نامحرم افراد کی طرف دیکھ رہی ہیں اور آپ اس پر کوئی اعتراض نہیں کررہے۔ ان دونوں احادیث میں تطبیق کی مختلف صورتیں ہیں۔

1) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ازواج کو پردے کا حکم دیا وہ ایک عام دن تھا جبکہ جس روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کھیل تماشا دکھا رہے تھے وہ خاص عید کا دن تھا اور عید کے دن شریعت بعض چیزوں میں رعایت رکھتی ہے جیسا کہ عید کے دن دف وغیرہ بجانا کھیل تماشا کرنا روزہ کا حرام ہونا وغیرہ۔

2) رسول اللہ ﷺ نے اپنی جن ازواج کو پردے کا حکم دیا تھا وہ پختہ عمر تھیں جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا بلوغت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دجال کے متعلق

متضاد روایات اور ان میں تطبیق

www.dfaehadees.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمر کو ابھی پہنچی تھیں جیسا کہ وہ اس روایت میں خود فرماتی ہیں کہ میں ایک چھوٹی کم عمر لڑکی تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہ کی عمر رخصتی کے وقت 9 برس تھی۔

3) ممکن ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہو اور ام سلمہ والا واقعہ بعد از حجاب کا۔

4) جواب یہ ہے کہ جب فتنے کا ڈر ہو تو عورتوں کا مردوں کی طرف دیکھنا ممنوع ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو قباحت نہیں ہوتی جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کے کھیل کی طرف دیکھا۔

(14) اللہ کے نبی ﷺ کی دیگر انبیاء پر فضیلت سے متعلق

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو اور نہ انبیاء کے درمیان آپس میں انکو ایک دوسرے پر فضیلت دو''۔ (اسنادہ صحیح رواہ البخاری 3414، مسلم 2373)

جبکہ دوسری روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں''۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ''. (سورہ بقرۃ آیت 253)

''یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔

تطبیق

ان دونوں احادیث اور قرآن کی آیت میں بظاہر تعارض ہے کہ ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے آپ کو کسی دوسرے نبی پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے۔ اور جبکہ دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ خود کو سب کا سردار کہہ رہے ہیں اور قرآن کی آیت بھی انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کو ثابت کر رہی ہے۔ لیکن اگر ان صحیح احادیث اور آیت قرآنی پر غور کر لیا جائے تو بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی ﷺ کا اپنی امت کو اپنے بارے میں کسی نبی پر فضیلت دینے سے منع کرنا آپ کا تواضع تھا۔ اور اپنے آپ کو بنی آدم کا سردار کہنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فخر کے طور پر تھا جیسا کہ آپ نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ بلکہ امت کو اپنے اس مقام سے آگاہ کرنا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مقام اور فضیلت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت میں واضح فرمایا ہے کہ: کہ ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔ لہٰذا جس حدیث میں کسی نبی کو کسی نبی پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق امت کے لوگوں سے ہے کہ انہیں کسی پر اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کسی نبی کو کسی دوسرے نبی پر فضیلت دیں لیکن یہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ جس نبی کو چاہے فضیلت دے۔ لہٰذا حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔

(15) ایک دن میں ایک وقت کی ایک ہی مرتبہ نماز پڑھی جائے؟

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر پر نماز پڑھ لے اور پھر امام کو جماعت کراتے ہوئے پالے تو اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرے تو یہ نماز اس کے لئے نفل ہو جائیگی''۔

(عبدالرزاق 2266، الشافعی فی الامام، الدارقطنی والطحاوی)

جبکہ دوسری روایت میں آتا ہے:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک ہی نماز کو دن میں دو مرتبہ نہیں پڑھو''۔

(احمد 107/7، ابوداؤد کتاب الصلوۃ، وانسائی وابن ابی شیبہ وابن حبان والبغوی والطبری والدارقطنی والبیھقی وابو نعیم وابن عبدالبر فی التمیہ 244/4، وابن حزم فی المحلی وصححہ)

تطبیق

ظاہری طور پر دونوں حدیثیں آپس میں متعارض نظر آتی ہیں کہ ایک حدیث میں نماز کو دو مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں اس طرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں پر غور کیا جائے تو ان شاء اللہ تعارض دور ہو جائیگا کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الوحی رقم 1)

پہلی حدیث جس میں دو نمازوں کا ذکر ہے وہ ایک الگ نماز ہے جس میں ایک فرض بن جاتی ہے اور دوسری نفل اور دوسری حدیث میں اس چیز کی ممانعت ہے۔ اگر کوئی شخص فرض نماز کی نیت کر کے دونوں نمازوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو ادا کرے یعنی ایک ہی نوعیت کی دو نمازیں ایک ہی دن پڑھنا منع ہے لیکن اگر نوعیت مختلف ہو کہ ایک کو فرض اور دوسری کو نفل پر محمول کیا جائے تو یہ جائز ہے لہٰذا ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

(16) اس چیز کا بیان کہ قرآن کے ساتھ کسی اور چیز کی کتابت کا ممنوع ہونا

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کہ سوا کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ....اسے چاہئیے کہ وہ اسے مٹا دے''۔(مسلم 3005دارمی ، احمد)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''عمرو بن شعیب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور میرے والد نے میرے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول کیا میں وہ ہر چیز لکھ لیا کروں جو میں آپ سے سنتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' اس لئے کہ میں حق کے سوا کچھ نہیں فرماتا''۔

(ابو داؤد ج1کتاب العلم رقم 750والصحیحہ)

تطبیق

یہ دونوں احادیث بظاہر متعارض ہیں ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے قرآن کے سوا کتابت سے منع فرمارہے ہیں اور دوسری حدیث میں تمام احکامات لکھنے کا حکم دے رہے ہیں ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس حدیث میں کتابت سے منع کیا جارہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ ملا کر احادیث رسول کو نہ لکھا جائے جیسا کہ دوسری روایت میں کہ کلام اللہ کے ساتھ احادیث انبیاء کو ملا کر لکھنے کے سبب سے گذشتہ الہامی کتابوں میں تحریف ہوگئی تھی تو اسی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے احادیث کو قرآن کے ساتھ لکھنے سے منع فرمایا ۔جبکہ جس روایت میں لکھنے کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ احادیث کو بالکل لکھا جائے لیکن قرآن کے ساتھ اختلاط نہ کیا جائے بلکہ انفرادی طور پر لکھا جائے۔مزید تفصیل کے لئے راقم کی ویڈیو CDs سے استفادہ کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(17) اسلام لانے کے بعد برے اعمال کرنے سے زمانہ جاہلیت کے اعمال کا بھی مواخذہ ہوگا یا نہیں

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آدمی کے ان اعمال کا بھی مواخذہ ہوگا جو اس نے ایام جاہلیت میں کئے ہونگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے (حالت) اسلام میں اچھے اعمال کئے تو اس سے ایام جاہلیت کے متعلق مواخذہ نہیں ہوگا اور جس نے (اسلام لانے کے باوجود) برے اعمال کئے تو اس کے اگلے پچھلے تمام اعمال کا مواخذہ ہوگا''۔

(شرط الشیخین رواہ احمد 409/1 والبخاری 6921، ورواہ مسلم 130، والدارمی 3/1 وابن ماجہ 4242)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''اللہ کے رسول ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے عمرو بیعت کرلے (اسلام میں) یقیناً اسلام پچھلے گناہوں کو ڈھا دیتا ہے''۔

(حدیث صحیح وھذا سند حسن رواہ احمد 198/4، مسلم 121)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجئے کافروں سے کہ اگر وہ باز آجائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) تو اگلے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔(سورۃ الانفال)

تطبیق

قرآن مجید کی آیت اور حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں برے اعمال سے مراد کفر اور نفاق ہے یہی بات حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل فرمائی ہے۔ اور خود امام بخاری اس روایت کو (**باب اثم من اشرک باللہ وعقوبتہ فی الدنیا والاٰخرۃ**) میں لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے حدیث میں برے اعمال سے مراد کفر اور شرک ہے۔

لہٰذا جو شخص اسلام لانے کے بعد کفر اور شرک کا ارتکاب کرے گا تو آخرت میں اس کے ان گناہوں کا جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے زمانہ جاہلیت میں یا حالت اسلام کئے ہونگے مواخذہ کیا جائیگا۔ اور وہ شخص جس نے اسلام لانے کے بعد اچھے اعمال کئے یعنی ریاکاری اور نفاق وغیرہ سے اجتناب کیا تو اس سے حالت کفر سے متعلق کوئی گناہ نہ ہوگا۔

(18) ران ستر میں داخل ہے یا نہیں؟

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے آرام کر رہے تھے اور آپ کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں، اچانک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی اور ابوبکر داخل ہوئے اور آپ ﷺ اسی حال میں لیٹے رہے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کری اور ان کو اجازت دے دی گئی اور آپ ﷺ اسی حال میں رہے پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو نبی ﷺ نے اپنی ران پر کپڑا ڈھانپ لیا''۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ نے ایسا نہیں کیا پھر جب عثمان داخل ہوئے تو آپ بیٹھ گئے اور اپنی ران پر کپڑا اڈھانپ لیا۔

(اسنادہ صحیح علی شرط مسلم رواہ ابن عساکر ص 79 ورواہ احمد 155/6 وابو یعلی 4437، ورواہ ابن عاصم فی السنۃ 1387، شرح مشکل الآثار 415/4)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''ران عورت میں سے ہے''۔

(رواہ ترمذی 2795,2797,2796، والدارمی 2815 باب 22 والبخاری فی تاریخ الکبیر 249/2 وابوداؤد الطیالسی 1176 والطبرانی فی معجم الکبیر 304/2)

تطبیق

بظاہر دونوں احادیث آپس میں متضاد ہیں کہ پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ران مبارک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے مکشوف تھیں جبکہ دوسری روایت میں اسے (ستر) کہا گیا ہے جسکا ڈھانپنا ضروری ہوتا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ران عورت (ستر) ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کیونکر صحابہ کے سامنے مکشوف کیا؟ ان احادیث میں تطبیق کی کئی صورتیں ہیں:

جس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ اس حالت میں تشریف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتے کہ آپ ﷺ کی رانوں سے کپڑا اہٹا ہوا ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے اس طرف توجہ نہ دی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس طرف توجہ دی کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بڑی حیا تھی اور آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ بہت حیا کرنے والے ہیں۔اور یہ بات بھی عین ممکن ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان کہ ران ستر ہے وہ اس واقعہ کے بعد کا ہو۔واللہ اعلم بالصواب۔

(19)اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے یا بیٹھ کر؟

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی بھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

(اخرجہ احمد192/6، والبیھقی سی سنۃ 101/1وابوعوانہ198/1شرح معانی الآثار368/4والحاکم181/1وابن حبان350/2)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کچرا کنڈی پر آئے اور وہاں کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔

(رواہ البخاری 62/1، والنسائی وابن خزیمہ وابن حبان والبیھقی والدارمی والطیالسی ومسلم ،ابوداؤد،والترمذی ، ابن ابی شیبہ،ابن ماجہ واحمد والبغوی)

تطبیق

دونوں احادیث بظاہر متعارض ہیں ایک میں بالکلیہ اللہ کے نبی ﷺ کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی نفی ہے جبکہ دوسری حدیث سے بصراحت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا ثبوت ہے۔تو ان کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی معلومات کا دائرہ گھر تک محدود تھا جبکہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی خارجی زندگی میں آپ کے ایک اہم رازداں اور انتہائی قریبی ساتھی تھیں۔

تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی معلومات کی بناء پر اللہ کے نبی ﷺ سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی نفی کی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے رسول ﷺ کی باہر کی زندگی کے متعلق معلومات نہیں تھی۔

اور رہی بات اس اعتراض کی کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا اور امت کو اس سے منع کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے ....تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جس جگہ کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا وہ ایک کچرا خانہ تھا۔ گندگی کی وجہ سے وہاں بیٹھ کر پیشاب کرنا مناسب نہ تھا دوسرا اس گندگی کی جگہ پر بیٹھ کر پیشاب کی صورت پیشاب کی چھینٹے آنے کا احتمال تھا۔

تیسری بات یہاں یہ کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سواری سے گر گئے تھے آپ ﷺ سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا اس کی بناء پر آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، لہٰذا اس حدیث میں امت کے لئے سہولت ہے کہ اگر کوئی مجبوری کی کیفیت میں ہو تو کھڑے ہوکر پیشاب کر سکتا ہے لیکن بلاوجہ اس کو عادت نہ بنائے۔

(20) جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے یا نہیں

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن بغیر روزہ سے نہیں دیکھا''۔

(اخرجہ البزار وابن ابی شیبہ وذکرہ الھیثمی فی المجمع والترمذی وابن ماجہ ابواب الصیام ابن ابی شیبہ وابن حزم واحمد)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابودرداء جمعہ کے دن کو روزہ کے ساتھ خاص نہ کرو''۔

(ذکر حدیث مسلم ھذا ۔ نھی رسول اللہ ﷺ عن صیام یوم الجمعۃ الا بیوم قبلہ اوبیوم بعدہ ، اخرجہ البخاری کتاب الصیام ومسلم وابن ماجہ والطبری)

تطبیق

یہ دونوں احادیث بظاہر متعارض ہیں ایک روایت میں جمعہ کے روزہ کی ممانعت ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جمعہ کے روز روزہ رکھتے تھے۔ یہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جہاں اللہ کے نبی ﷺ نے جمعہ کے روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اس سے صرف جمعہ کا روزہ رکھنا انفرادی طور پر منع ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھو مگر ایک روزہ اس سے قبل یا اس کے بعد رکھ لو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جہاں تک تعلق ہے اللہ کے رسول ﷺ کا جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جمعہ کے ساتھ ایک دن اور ملایا کرتے تھے یعنی جمعرات اور جمعہ دونوں دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ حدیث میں تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے جبکہ جمعہ کے دن بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو جمعرات کے دن کو ساتھ ملائے یا ہفتے کے دن کو ساتھ ملائے۔ لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔ الحمدللہ

(21) نماز میں سترہ کے بارے میں

''نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے سامنے کسی چیز کو سترہ بنائے''۔

(صحیح مسلم باب منع المارین یدی المصلی والحاکم وابن خزیمہ وابن حبان والبیھقی واحمد وابن ماجہ وابوعوانہ والطحاوی فی معان الآثار مالك فی الموطا کتاب الصلاۃ والبخاری کتاب الصلاۃ)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''عبدالرحمٰن بن عبدالمطلب بن ابی وداعہ اپنے والد سے اور ان کے والد ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ نبی ﷺ اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی سترہ نہیں تھا''۔

(اخرجہ الحمیدی والطحاوی والبیھقی واحمد وابن حبان ابوداؤد، والنسائی وابن ماجہ والبخاری فی التاریخ الکبیر 7/8 وعبدالرزاق والحاکم)

تطبیق

بظاہر دونوں احادیث میں آپس میں تعارض ہے کہ ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سترہ رکھنے کا حکم دیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بذات خود بغیر سترہ رکھے نماز پڑھ رہے تھے ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس حدیث میں نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنے کا حکم ہے تو اس حکم کا تعلق بیت اللہ کے علاوہ دوسری مساجد اور اماکن کے ساتھ ہے اور آپ ﷺ نے بغیر سترہ رکھے بیت اللہ میں نماز ادا کی تھی اس وجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے آپ ﷺ نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے سترہ نہیں رکھا۔لہٰذا دونوں حدیثیں تعارض سے پاک ہیں۔

(22)حالت جنابت میں سونے سے متعلق

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ حالت جنابت میں سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے''۔(اخرجہ الترمذی کتاب الطھارۃ،وابن ماجہ شرح معانی الآثار وابوداؤد عبدالرزاق والطیالسی والبیھقی)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو کیا کرتے تھے پھر سوتے۔یعنی بغیر وضو کے نہیں سوتے تھے''۔

(ابن خزیمہ کتاب الطھارۃ وابوعوانہ وابن ابی شیبہ وابن ماجہ وعبدالرزاق)

تطبیق

ان احادیث کے درمیان بظاہر تعارض ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جنابت کی حالت میں سو جاتے تھے اور پانی کو چھوا بھی نہیں کرتے تھے اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جنابت کی حالت میں وضو کر کے سوتے تھے ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پانی کو نہیں چھوتے تھے تو اس سے مراد ہے کہ غسل کے لئے پانی کو نہیں چھوتے تھے۔اور دوسری روایت میں وضو کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غسل کے لئے پانی کو نہیں چھوتے تھے لیکن وضو کر لیا کرتے تھے یعنی جنابت کی حالت میں سونے سے پہلے ہمیشہ غسل نہیں کرتے تھے۔اس لئے کہ پانی کے چھونے کی جو نفی ہے وہ ہے غسل کا پانی نہ کہ وضو کے پانی کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کم سے کم وضو کیا کرتے تھے وگرنہ کبھی غسل بھی کرتے تھے۔اور حدیث میں ہے کہ پانی کو چھوتے نہیں تھے یعنی غسل نہیں کرتے تھے تو اس سے مراد ہے کہ آپ ﷺ کا اکثر عمل غسل نہ کرنے کے بارے میں ہے وگرنہ آپ ﷺ سے موت سے قبل غسل ثابت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(23) کیا تاجر فاجر ہیں؟

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''یقیناً تاجر گنہگار ہیں (یعنی فاجر ہیں) تو کسی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال قرار نہیں دیا آپ ﷺ نے کہا کیوں نہیں، لیکن یہ لوگ جھوٹی قسم کھا کر (سامان) فروخت کرتے ہیں''۔

(اسنادہ حسن، رواہ احمد 428/3والحاکم 2/6-7، رواہ ابن جریر فی مسند علی من تھذیب الآخیار 100)

اس حدیث میں تاجروں کو فجار کہا گیا ہے جبکہ قرآن میں ہے''**احل اللہ البیع وحرم الباء**'' ''اللہ تعالیٰ نے تجارت حلال کیا ہے اور سود حرام''۔(البقرۃ آیت 275)

تطبیق

جب تجارت ایک عمل ہے تو تاجر کیسے فاجر و فاسق ہو سکتے ہیں حالانکہ وہ ایک حلال کام کر رہے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تاجر کو فاسق وفاجر نہیں کہہ رہے بلکہ ان تاجروں کے متعلق فرما رہے ہیں جو اپنی تجارت میں لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور جھوٹی قسم کھا کر سامان فروخت کرتے ہیں جیسا کہ حدیث کے اگلے حصے میں وضاحت ہے''**لکھنم یحلفون ویبعون ویکذبون**'' کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا کر اپنے سامان کو فروخت کرتے ہیں اور اگر ہم آج کے تاجروں کا تجزیہ کریں تو ہمیں حدیث کی صداقت کا علم ہو جائیگا کہ آج کے تاجر اپنے سامان میں ملاوٹ کرتے ہیں یا اسے بیچنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں ہدایت نصیب فرمائے۔آمین

(24) دودھ پی کر کلی کرنے کا بیان

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دودھ پیا اور پھر پانی منگوا کر کلی کر لی اور پھر فرمایا کہ اس (دودھ) میں چکنائی ہوتی ہے۔

(بخاری کتاب الوضوء 60/1مسلم کتاب الحیض وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن خزیمہ وابن حبان احمد وابوعوانہ والبیھقی وابن ابی شیبہ)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جبکہ دوسری روایت میں کچھ اس طرح وارد ہوا ہے۔

''ان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا اور کلی نہیں کی''۔

(ابو داؤد کتاب الطهارة 77/1 والبیهقی)

تطبیق

یہ دونوں احادیث بظاہر آپس میں ٹکراتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ ایک روایت میں دودھ پی کر کلی کرنے کا ذکر ہے اور جبکہ دوسری روایت میں اس کی نفی ہے۔ان احادیث میں تطبیق کی کئی صورتیں ہیں۔

1) جب دودھ پینے سے منہ میں چکنائی اتنی باقی رہ گئی کہ کلی کرنے کی ضرورت پڑ گئی جیسا کہ آگے وضاحت کردی ''ان لـــه سـمـاً'' کہ اس میں چکنائی ہے اور جب دودھ پی کر منہ میں اتنی چکنائی نہیں باقی رہی تو کلی کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

2) ہوسکتا ہے کہ جس روایت میں دودھ پی کر کلی کرنے کا ذکر ہے اس دودھ سے مراد اُبلا دودھ مراد ہے اور جس روایت میں کلی نہیں کی تو ہوسکتا ہے کہ وہ دودھ اُبلا ہوا نہیں ہو۔اس لئے کہ اُبلے ہوئے دودھ میں چکناہٹ پاقی رہتی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے کلی کی۔اور بغیر اُبلے ہوئے دودھ میں چکناہٹ نہیں ہوتی اس لئے ہوسکتا ہے کلی نہیں کی۔

(25) سفر معراج سے متعلق روایات

''ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ام ھانی کے گھر سے معراج کے لئے روانہ ہوئے''۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''آپ ﷺ معراج کے لئے حطیم سے روانہ ہوئے''۔

اور تیسری روایت میں ہے کہ:

آپ ﷺ معراج کے لئے بیت اللہ سے روانہ ہوئے۔ (اخرجه النسائی 448)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تطبیق

ان تمام روایات میں بظاہر تعارض ہے لیکن اصل میں ان احادیث تعارض نہیں بلکہ ہماری کم فہمی ہے کہ ہم احادیث کو سمجھ نہیں رہے اسلئے اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ان احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ ام ھانی کے گھر سے روانہ ہوئے معراج کے لئے اور ام ھانی رضی اللہ عنہا کا گھر بیت اللہ میں تھا اور جس روایت میں حطیم کا ذکر ہے تو حطیم بھی بیت اللہ میں ہے لہٰذا ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ وہ اپنے گھر سے آیا ہے پھر کہتا ہے کہ اپنے علاقے سے آیا ہے پھر کہتا ہے کہ اپنے شہر سے آیا ہے۔کوئی صاحب عقل اس کو متعارض نہیں کہے گا۔کیونکہ اس کا گھر اس کے علاقے اور اس کا علاقہ اس کے شہر میں ہے۔

(26)احد کے شہیدوں پر نماز جنازہ پڑھنا

''عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حکم دیا پس انہیں ایک چادر میں چھپا دیا گیا''۔

آپ ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی نو تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ ادا فرمائی پھر دوسرے شہیدوں کو باری باری لایا گیا آپ ﷺ نے ان کی بھی نماز جنازہ ادا فرمائی اور ان کے ساتھ حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز بھی ادا فرماتے رہے''۔(طحاوی ج1ص290)

ایک اور حدیث میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک دن رسول اللہ ﷺ نکلے پس آپ ﷺ نے شہدائے احد پر اس طرح نماز جنازہ ادا کی جس طرح آپ ﷺ میت پر ادا کرتے ہیں۔ (بخاری 1344، مسلم 2296، نسائی ، ابوداؤد، ابن حبان ، طبرانی ، بیھقی ، بغوی ، دارقطنی)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ احد کے مقتولین میں سے دو دو آدمیوں کو ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کپڑے میں جمع کرتے پھر فرماتے ان میں سے قرآن کسے زیادہ آتا ہے جب ان میں سے کسی ایک طرف اشارہ کرکے آپ ﷺ کو بتایا جاتا تو آپ ﷺ اسے لحد میں آگے کر دیتے اور آپ ﷺ نے ان کے خونوں میں ہی دفن کرنے کا حکم دیا لہذا انہیں نہ غسل دیا گیا نہ ان کا جنازہ پڑھا گیا''۔

(صحیح بخاری 1343، ابن ابی شیبہ ، عبد بن حمید ، وابوداؤد ابن ماجہ 1514، والترمذی والنسائی وابن حبان ودارقطنی والبیہقی والبغوی)

تطبیق

ان دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ جابر رضی اللہ عنہ کو ہوسکتا ہے اس بات کا علم نہ ہو کہ آپ ﷺ نے احد کے شہیدوں کی نماز جنازہ پڑھی ہے یا نہیں اس لئے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو لاحق ہونے والی پریشانی کی حالت میں ہوسکتا ہے کہ تمام لوگ نماز جنازہ پر نہ پہنچ سکے ہوں اور نہ انہیں اس بات کا علم ہوا ہو تو یہ ممکن ہے خصوصاً جابر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہ ہونا اور جنازے پر پہنچ نہ سکنا تو یہ عین ممکن ہے کیونکہ وہ احد کے معرکے میں شریک ہی نہ ہوسکے خود ان کا بیان ہے کہ میں والد صاحب کے منع کرنے کی وجہ سے بدر اور احد میں شریک نہیں ہوا، جب وہ شہید ہوگئے (یعنی میرے والد) تو میں کسی بھی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا۔ (صحیح مسلم 1813)

اور جو انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے یہ بات مخفی رہ گئی ہو کہ احد کے شہیدوں کا نماز جنازہ پڑھا ہے یا نہیں ۔ اور یہ ممکن ہے اسلئے کہ انس رضی اللہ عنہ اس وقت صغیر السن تھے اور اس واقعہ کا مکمل ادراک نہ کر سکے ہوں ۔

(27) صوم داؤد افضل ہے یا صوم محرم؟

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل روزے داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے ۔(رواہ الحمید 579، وعبدالرزاق 7864، والبخاری 1131، مسلم 1159، وابوداؤد 2448والنسائی 214/3وابن ماجہ1713، والدارمی 20/2وابن حبان 3590والبیہقی 3/3)

جبکہ دوسری روایت کچھ اس طرح ہے:

''فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرض نماز کے بعد سب سے افضل کونسی نماز ہے آپ ﷺ نے فرمایا رات کے درمیانے حصے میں نماز پڑھنا، پھر اس نے پوچھا کہ رمضان کے روزوں کے بعد کونسے روزے سب سے افضل ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس اللہ کے مہینے کے روزے جسے تم محرم کہتے ہو"۔

تطبیق

ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ داؤد علیہ السلام کے روزے افضل ہیں اور جبکہ دوسری روایت میں ہے محرم کے مہینے کے روزے سب سے افضل ہیں۔ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس روایت میں ہے کہ محرم کے روزے سب سے افضل ہیں تو یہ مہینے یعنی اوقات کے حساب سے ہیں اور جس میں ہے کہ دوؤد علیہ السلام کے روزے سب سے افضل ہیں تو یہ طریقے کے اعتبار سے ہیں۔

ایک روایت میں ذوالحجہ کی سب سے زیادہ فضیلت بتائی گئی ہے کہ جہاد سے بھی زیادہ (لیکن سوائے اس کے کو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے لڑے اور شہید ہو جائے۔) تو ذوالحجہ کے روزے کی فضیلت دونوں کے حساب سے ہے۔

(28) بچے کا نام پیدائش کے وقت رکھا جائے یا ساتویں دن

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ گروی ہے اپنے عقیقہ کے ساتھ اس کی طرف سے ساتویں دن (جانور) ذبح کیا جائے اور اس کے سر کو مونڈھا جائے اور اس کا نام رکھا جائے"۔

(رواہ احمد 17/5، والدارمی 18/2 وابو داؤد 2827، والطبرانی 6828، شرح مشکل الآثار 61/3)

اس حدیث میں ساتویں دن بچے کا نام رکھنے کا حکم ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا میں نے اس کا نام اپنے باپ پر ابراہیم رکھا ہے"۔

(اسنادہ صحیح رواہ احمد 194/3 وابن حبان 2902)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تطبیق

بظاہر یہ دونوں روایات آپس میں متضاد ہیں کہ ایک روایت میں اللہ کے نبی ﷺ حکم دے رہے ہیں کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے جبکہ دوسری روایت میں خود اللہ کے نبی ﷺ اپنے بچے کا نام اسی رات کو رکھا جس رات کو وہ پیدا ہوئے ان احادیث میں تطبیق کی کئی صورتیں ہیں۔

1) بچے کی پیدائش کے دن اس کا نام رکھنے کا جو ذکر ہے تو یہ جواز کے طور پر ہے اور ساتویں دن نام رکھنے کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔

2) دوسری تطبیق یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کو جمع کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے دن اس کا نام رکھ دیا جائے لیکن لوگوں کے سامنے اس کا اظہار یا چرچا ساتویں دن کیا جائے۔

(29) اعمال کو اللہ کے دربار میں پیش کئے جانے والی مختلف روایات

اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل روایات ہیں:

1) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر جمعرات اور سوموار کو تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو اس دن اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کو بخش دیتا ہے جو اکثر کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہو۔

2) رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اٹھایا جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے۔

تطبیق

ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ (سوموار) اور جمعرات کو اعمال کا پیش کیا جانا نبی ﷺ کے اس حکم کے منافی نہیں جس میں ہے کہ رات کا عمل دن سے قبل اور دن کا عمل رات سے قبل اٹھایا جاتا ہے اس لئے کہ (رفع) یعنی (اٹھانا) اور عرض یعنی (پیش کئے جانے) میں فرق ہے اس لئے کہ پورے ہفتے میں اعمال جمع کئے جاتے ہیں اور ان دنوں میں (سوموار اور جمعرات) میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اس حدیث میں ہے کہ رات کا عمل دن سے قبل اٹھایا جاتا ہے اس حدیث کے الفاظ میں ہے (رفع) یعنی اٹھانا جس حدیث میں سوموار اور جمعرات کے دن کا ذکر ہے اسی میں الفاظ ہیں (تعرض) یعنی پیش کئے جانا۔ معلوم ہوا کہ ہر روز اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور جمعرات اور سوموار کو پیش کئے جاتے ہیں۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ دونوں احادیث اس تیسری حدیث کے بھی منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ اعمال شعبان کے مہینے میں اٹھائے جاتے ہیں اور میں (ﷺ) اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل روزے کی حالت میں اٹھایا جائے اس لئے کہ یہ جائز ہے کہ ہفتے کے اعمال اٹھائے جاتے ہوں سوموار اور جمعرات کو اور سال کے اعمال اجمالی طور پر ہر شعبان میں اٹھائے جاتے ہوں تو معلوم ہوا کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

(30) اگر سامنے کھانا ہو اور نماز کا وقت بھی ہو تو نماز پہلے ادا کی جائے یا کھانا کھایا جائے

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اور کھانا رکھا جائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔

(اسناده صحيح على شرطها رواه احمد 249/3، ورواه البخاری 5463 والبيهقی 73/3 وابن حبان وابو يعلى 2796 والطبرانی وابن ابی شيبه ومسلم والترمذی وابن ماجه وابو عوانه والحميدی والطحاوی)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کھانا وغیرہ کی وجہ سے نماز کو ادا کرنے میں تاخیر نہیں کرتے تھے''۔

(اخرجه ابو داؤد كتاب العلم والدارقطنی)

تطبیق

بظاہر یہ دونوں روایتیں آپس میں متصادم ہیں لیکن اگر دوسری روایت کی سند کی طرف غور کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے ضعف کی وجہ اس حدیث کی سند میں محمد بن میمون بہت ضعیف ہے۔

(تهذيب التهذيب 456,457/7)

اسی طرح یہ روایت دوسرے طریقے سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند میں بھی ایک راوی طلحہ بن زید ضعیف ہے۔(تهذيب التهذيب 104,108/4)

اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی پہلی حدیث ہے متعارض نہیں۔اس لئے کہ پہلی حدیث میں جو حکم ہے کھانا کھانے کا تو وہ اس کے لئے ہے کہ اذان ہونے کے بعد جماعت کھڑی ہونے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقت باقی ہو اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

اور دوسری روایت ایسے وقت کے لئے ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

تنبیہ: اگر کوئی شخص اس وقت کھانا کھا رہا ہے اور جماعت کھڑی ہونے میں وقت باقی ہے اور اسی دوران نماز کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور ابھی کھانا کھانے سے فارغ نہیں ہوا تو اسے چاہیئے کہ کھانا ختم کرے پھر نماز پڑھنے کی طرف جائے۔

(31) بجو کی حلت اور حرمت کے بارے میں

''ابن ابی عمار فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہؓ سے سوال کیا کہ کیا میں بجو کا شکار کر سکتا ہوں جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا ہاں! پھر میں نے کہا کیا میں اس کو کھا سکتا ہوں انہوں نے کہا ہاں! پھر میں نے کہا کیا تم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی انہوں نے کہا ہاں''۔

(اسنادہ صحیح رواہ عبدالرزاق 8682والشافعی 331/1واحمد318/3والدارمی 84/2والترمذی فی جامع 851والدارقطنی 246/2وابن الجارود، وابن خزیمہ 2645وابن حبان3965والبغوی1992والبیھقی 183/5)

جبکہ دوسری روایت میں اس طرح وارد ہوا ہے:

''نبی ﷺ نے فرمایا ہر کچلی والا جانور (درندہ) حرام ہے''۔

(رواہ المؤطا 496/2رواہ الشافعی الرسالہ 562مسلم1933والنسائی 200/7وابن ماجہ3233 والبیھقی 310/9والبغوی2794شرح مشکل الآثار 86/9)

یہ دونوں روایتیں بظاہر متصادم ہیں کہ ایک روایت میں بجو کو حلال قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری روایت میں کچلی والے جانوروں کو حرام کیا جا رہا ہے اور یہ صفت بجو میں بھی ہوتی ہے۔

تطبیق

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ شریعت نے کچلی والے جانوروں کی حرمت بیان کی ہے اور شریعت نے ہی بجو کی اباحت بیان کی ہے۔یعنی بجو کھانے کو مستثنیٰ قرار دیا۔تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کچلی والے جانور حرام ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باسوائے اس کے جس کو شریعت نے مستثنیٰ قرار دیا ہو جیسے بجو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ''ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہے لیکن شرک کو ان گناہوں سے مستثنیٰ کر دیا جیسا کہ سورہ نساء کی آیت 116 میں ہے۔ (شرح مشکل الآثار 237/4)

(32) مردہ جسم کی ہڈی کو توڑنا زندہ جسم کی ہڈی کو توڑنے کے برابر ہے

''نبی ﷺ نے فرمایا میت کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی کو توڑنے کے برابر ہے''۔

(حدیث صحیح اسناد حسن رواہ احمد 218/5)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مردہ شخص کی ہڈی توڑنا اور زندہ شخص کی ہڈی توڑنا برابر ہے تو جس طرح زندہ شخص کی ہڈی توڑنے پر دیت وقصاص لیا جاتا ہے تو مردہ شخص کی ہڈی توڑنے پر اس طرح کا معاملہ کیوں نہیں کیا جاتا؟

جواب: اس حدیث میں انسانی جسم کے احترام کی طرف ترغیب دلائی جارہی ہے کہ جس طرح زندہ انسان کے جسم کا احترام وعزت کرنا ضروری ہے اسی طرح مردہ انسان کے جسم کا بھی۔

(33) رسول اللہ ﷺ کے لئے تمام عورتیں نکاح کے لئے حلال تھیں یا نہیں

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کی موت واقع نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے لئے یہ حلال کر دیا گیا آپ جس عورت جسے چاہیں نکاح کریں۔

(وراہ احمد فی مسندہ 41/6 والنسائی 56/6 والترمذی 3216)

جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

''لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ'' (الاحزاب آیت 52)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ ان کے بدلے اور عورتوں سے نکاح کریں''۔ (اگرچہ اچھی بھی لگتی ہوں)

اس حدیث اور قرآن کی آیت میں بظاہر تعارض ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کے لئے اجازت ہے کہ جس عورت سے چاہیں نکاح کرلیں جبکہ قرآن مجید میں ایک فہرست بتائی گئی ہے کہ جسمیں نبی ﷺ کی خالہ کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی اور مؤمنہ عورت جو آپ سے نکاح کرنے کے لئے اپنے نفس کو ہبہ کرے اور وہ عورتیں جن کا آپ نے حق مہر ادا کردیا ہو کہ ان سے نکاح کرنا آپ ﷺ کے لئے جائز ہے۔ اور پھر بعد میں فرمایا کہ اس کے بعد آپ ﷺ کے لئے کسی اور عورت سے نکاح جائز نہیں۔

تطبیق

ان احادیث اور آیت میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضور کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو آپ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں لیکن امہات المؤمنین نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا اس پر انہیں اللہ کی طرف سے دینوی بدلہ یہ بھی ملا کہ حضور کو اس آیت میں حکم ہوا کہ اب اسکے سوا کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرسکتے چاہے وہ کتنی ہی خوش شکل ہی کیوں نہ ہو؟ ہاں لونڈی اور کنیزوں کی بات اور ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ تنگی آپ سے اٹھالی اور نکاح کی اجازت دے دی اس کے بعد خود نبی کریم ﷺ نے کوئی اور نکاح نہیں کیا اس کے حرج کے اٹھانے میں اور عمل کے نہ ہونے میں بہت بڑی مصلحت تھی کہ آپ ﷺ کا احسان اپنی بیوں پر رہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے انتقال سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں بھی حلال کردی تھیں۔ (ترمذی نسائی وغیرہ)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ حلال کرنے والی آیت'' ترجی من تشاء منهن..الخ'' ہے۔ تو اس سے پہلے گزر چکی ہے بیان میں وہ پہلے ہے اتارنے میں وہ پیچھے ہے۔

سورہ بقرہ میں بھی اسی طرح عدت وفات کی پچھلی آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت اس کی ناسخ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(34) پردہ کا حکم کب نازل ہوا

پہلی حدیث میں ہے کہ پردے کا حکم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے بعد نازل ہوا۔

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حرص کی وجہ سے پردہ کا حکم نازل ہوا تھا جب انہوں نے سودہ رضی اللہ عنہا کو کہا تھا کہ تمہیں کپڑا اوڑھنا چاہئے۔

تطبیق

ان دو روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے بعد پردہ نازل تو ہوا تھا لیکن اس کی سختی نہیں تھی یعنی حکم کا نفاذ نہیں ہوا تھا اور عمر رضی اللہ نے جب سودہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہا کہ ''انا قد عرفناک'' تو صبح اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی اور یہ حکم جاری کر دیا گیا سب کے لئے یہ لازم کر دیا گیا۔

(35) مکہ مکرمہ کی حرمت کس دن سے قائم ہے

ایک حدیث میں ہے کہ مکہ کی حرمت اس دن سے قائم ہے جس دن سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

(رواہ عبدالرزاق 9713 واحمد 236/1 والبخاری 1587 ومسلم 1353 وابوداؤد 2018 والترمذی 1590 والنسائی وابن الجارود 509 وابن حبان 3720 والبغوی 2003 والطبرانی 10943 والبیہقی 195/5)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر مکہ کی حرمت کو اللہ کے حکم سے قائم کیا''۔

(رواہ احمد 119/1 وابوداؤد 2035 مسلم 1362)

تطبیق

بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے کہ ایک حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ مکہ کی حرمت اللہ تعالیٰ نے اس دن قائم کی تھی جس دن زمین و آسمان کو اس نے تخلیق کیا اور دوسری روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے مکہ کی حرمت کو قائم کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ مکہ کی حرمت اس دن سے قائم ہے جس دن زمین وآسمان کی تخلیق ہوئی۔ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے اصل شہر کی حرمت کو قائم کیا۔

(36) کسی شخص کا اللہ کی کسی صفت کے نہ ہونے کے متعلق گمان کرنا کیا ایسا شخص بخش دیا گیا؟

''اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اللہ نے اسے مال واولاد سے نوازا تھا اور وہ دین دار شخص نہیں تھا پھر جب اس نے کافی عمر گزاری اور اسے یہ خیال آیا کہ اب میرے پاس اتنا وقت میسر نہیں کہ میں اللہ کی عبادت کرلوں۔تو اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کس طرح کا باپ پایا انہوں نے کہا کہ بہتر پایا تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تم سے اپنا دیا ہوا مال لے لوں گا تم اس طرح کرو جس طرح میں حکم دے رہا ہوں۔(یعنی اگر میرے حکم کی تعمیل سے انکار کروگے تو تم سے اپنا دیا ہوا مال لے لوں گا۔) تو اس نے اپنے بچوں سے عہد لیا اور کہا کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے آگ سے جلا دینا پھر جب میری راکھ بن جائے تو اسے ہوا میں اڑا دینا شاید میں اللہ کے عذاب سے بچ جاؤں۔تو انہوں نے (اس کے مرنے کے بعد) اس طرح ہی کیا پھر اس کو جس حالت میں مرا تھا اس سے بہتر حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا اے میرے بندے تو نے اس طرح کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ اے اللہ تیری خشیت (ڈر) تو اسے بخش دیا گیا''۔

(اسنادہ جید ، رواہ احمد 5,4/1والمروزی فی مسند ابی بکر 15وابوعوانہ175/1وابن ابی عاصم فی السنۃ 751وابن خزیمہ فی التوحیدص 310وابن حبان فی الصحیحہ 6476وابویعلی 56والبزار 3465(انظر شرح مشکل الآثار 26/2)

اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی یہ صفت کہ ''ان اللہ علی کل شئی قدیر'' کہ ''یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ہر کوئی یہ بات جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔تو اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی صفت اس پر کیسے مخفی رہی اور پھر اس کے باوجود اس کو بخش دیا گیا۔اور ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم اللہ رب العالمین کو مجھ پر کبھی بھی قدرت نہیں'' واللہ لایقدر علی رب العالمین ابداً''

تطبیق

اللہ رب العالمین نے اس شخص کو اس لئے بخش دیا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر تھا اور اسے اللہ کی اس صفت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم نہ تھا تو اس کی جہالت اس کا عذر بن گئی۔لیکن اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا اور یہ کہ اس طرح کر کے اللہ کے عذاب سے بچ جائے اور اللہ اس پر قدرت نہیں رکھتا۔اگر قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ '' (الانبیاء آیت 87)

''اور ذاالنون (یعنی یونس علیہ السلام) کو یاد کرو کہ جب وہ غصہ ہو کر نکلا اور اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام نے بھی خیال کیا تھا کہ اللہ ان پر قدرت نہیں رکھتا لیکن یہ خیال تھا یقین نہیں تھا۔اسی طرح حدیث میں مذکورہ شخص نے بھی خیال کیا تھا نہ کہ اسے یقین تھا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس طرح کا خیال کرتا ہے۔تو اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔اور اللہ کی کسی صفت کا علم ہونا معذور ہے لیکن اللہ کی صفت جو اللہ نے اپنے لئے ثابت کی ہیں انکار کرنا کفر ہے۔

(37) میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب ہے کہ نہیں؟

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص میت کو غسل دے تو اسے چاہئے کہ وہ خود بھی غسل کرے اور جو جنازے کو اٹھائے اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے''۔

جبکہ دوسری روایت اس طرح وارد ہوئی ہے کہ:

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میت کو غسل دو تو تم پر غسل نہیں کیونکہ تمہاری میت ناپاک نہیں ہے''۔

(اخرجه البيهقى كتاب الطهارة والحاكم والدارقطنى وصحيحه الحاكم ووافقه الذهبى)

تطبیق

ان احادیث میں ظاہری طور پر تناقص ہے کہ ایک حدیث میں غاسل میت کو غسل کرنے کا حکم دیا گیا جبکہ دوسری روایت میں صرف ہاتھ دھونے پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا۔اس میں تطبیق کی کئی صورتیں ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

1) غسل کا حکم اس شخص کے لئے ہے جسکے دوران غسل اس کے جسم پر یا جسم کے کسی حصے پر نجاست لگ جائے۔ یا کسی ایسی جگہ پر نجاست لگ جائے کہ وہ شک میں پڑ جائے کہ جسم میں کسی حصہ پر نجاست لگی ہے مگر جس شخص کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تو اس کے لئے ہاتھ دھونا کافی ہے۔

2) غسل کرنا مستحب ہے لیکن کوئی شخص ہاتھ دھوئے تو اس کے لئے کافی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے بعض غسل کرلیا کرتے تھے اور بعض غسل نہیں کرتے تھے۔ یعنی غسل کا حکم استحباب کے طور پر تھا۔

(38) وتر بھولنے کے بعد پڑھنے کا حکم

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو وتر پڑھنا بھول جائے یا سو جائے تو اسے چاہئے کہ جب اسے یاد آئے تو وہ اس وقت وتر پڑھے''۔ (اخرجه احمد وابن ماجه كتاب الصلاة والدارقطنی والحاكم والبيهقی)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو صبح کو پائے تو اس کی وتر نہیں''۔

(اخرجه الترمذی كتاب الصلاة وعبدالرزاق وابن ابی شيبه واحمد ومسلم كتاب الصلاة المسافرين والنسائی وابن ماجه وابوعوانه والطيالسی والحاكم والبيهقی)

تطبیق

ان دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے کہ ایک حدیث میں اسی شخص کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جو وتر پڑھنا بھول جائے یا سو جائے تو وہ یاد آنے کے بعد اسی وقت وتر ادا کرے چاہے وہ صبح کا وقت ہو یا شام کا یا دوپہر کا یا رات کا۔ جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے وتر نہیں پڑھی اور صبح ہوگئی تو اس وقت وتر نہیں۔

ان احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی وتر کسی شرعی عذر کی بناء پر چھوٹ جائے یا بھول جائے یا سو گیا ہو تو وہ یاد آنے پر پڑھے تو اس سے ادائیگی کا ذمہ ہٹ گیا لیکن اگر کوئی شخص عمداً (جان بوجھ کر) وتر چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے تو اس کا وتر پڑھنا اس کے لئے کوئی فائدہ مند نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(39) کیا صحابہ کرام سے کوئی بہتر ہے؟

''ابوعبیدہ نے نبی ﷺ سے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا کوئی ہم سے بہتر ہے؟ ہم نے آپ کے سامنے اسلام قبول کیا اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا لیکن مجھ پر ایمان رکھتے ہوں گے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں (یعنی صحابہ) اور پھر اس کے بعد آنے والے پھر ان لوگوں کے بعد آنے والے''۔

تطبیق

یہ دونوں روایتیں بظاہر متعارض ہیں کہ ایک حدیث میں ان لوگوں کو صحابہ سے بہتر کہا جا رہا ہے جو بعد کے آنے والے لوگ ہیں۔ جنہوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا ہوگا۔ اور جبکہ دوسری حدیث میں سب سے زیادہ بہتر صحابہ کرام کو کہا جا رہا ہے۔

اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اس وقت میں سب سے اعلیٰ مقام اور بعد میں آنے والے لوگ اس مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے لیکن اگر پہلی حدیث پر غور کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا اور آپ پر اس طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح صحابہ کرام ایمان رکھتے تھے وہ صحابہ سے صرف اس معاملہ میں افضل ہیں (یعنی ایمان بالغیب کے معاملے میں) کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کو دیکھا تھا اور بنا دیکھے نبی ﷺ پر ایمان لانے والے لوگوں کو اسی وجہ سے بہتر کہا کہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا تب بھی مجھ پر ایمان رکھیں گے۔

(40) چھینکنے والے کا جواب دینے کا بیان

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف فرما تھے تو ایک بندہ کو چھینک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئی تو اس نے الحمدللہ کہا تو اللہ کے نبی ﷺ نے جواب میں کہا (یرحمک اللہ) پھر ایک دوسرے بندے کو چھینک آئی اور وہ خاموش رہا تو آپ ﷺ نے جواب میں کچھ نہیں کہا''۔

(اسناده صحيح على شرط مسلم رواه ابن ابى شيبه 684/8والبخارى فى الأدب المفرد 930)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں کہ جب ملاقات کرے تو اپنے (مسلمان بھائی) کو سلام کرے (2) جب چھینک آئے تو اس کا جواب دے (3) اور جب وہ دعوت بلائے تو اسے قبول کرے (4) اور جب بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرے (5) اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہوئے''۔

(اسناده على شرط البخارى ، رواه البخارى 1240والنسائى 221،وابن السنى 246ورواه الطيالسى 2299وابوداؤد 5030ومسلم 2162وابن الجارود 525والبغوى ١٤٠٤ (انظر شرح مشكل الآثار 2/2)

تطبیق

ان دونوں میں ظاہری معمولی سا تعارض نظر آتا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ چھینکنے والے شخص کا جواب جب دیا جائے جب وہ الحمدللہ کہے، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جب اس کو چھینک آئے تو اس کا جواب دے۔ تو ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے اللہ کے نبی ﷺ نے یہ حکم صادر کیا جب کسی شخص کو چھینک آئے تو جواب میں یرحمک اللہ کہا جائے لیکن یرحمک اللہ کب کہا جائے اور کیسے کہا جائے اس کی وضاحت دوسری حدیث میں کر دی گئی کہ چھینک آنے کے بعد الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہا جائے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جس شخص کے چھینک پر اللہ کے رسول ﷺ خاموش رہے تو اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جب اس شخص نے چھینکا تو آپ نے جواب میں یرحمک اللہ کہا اور جب مجھے چھینک آئی تو آپ نے مجھے نہیں کہا خاموش رہے تو اللہ کے نبی ﷺ نے جواب میں کہا اس شخص نے (یعنی جس کا میں نے جواب دیا) الحمدللہ کہا اور تم چھینک آنے کے بعد خاموش رہے اس لئے الحمدللہ نہ کہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(41) بچے کا فطرت میں پیدا ہونا یا ماں کے پیٹ سے ہی سعید اور شقی ہونا

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت اسلام میں پیدا ہوتا ہے''۔

یعنی ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو مسلمان ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کے ماں باپ وغیرہ اس کو یہودی ونصاری وغیرہ بنا دیتے ہیں۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''آپ ﷺ نے فرمایا شقی وبد بخت وہ ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ سے ہی بد بخت ہو اور سعید ونیک بخت وہ ہوتا ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے ہی نیک بخت پیدا ہوتا ہے''۔

تطبیق

ظاہراً یہ دونوں حدیثیں متعارض اور متصادم نظر آتی ہیں کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ بچہ فطرت اسلام میں یعنی مسلمان پیدا ہوتا ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ماں کے پیٹ سے جب پیدا ہوتا ہے تو اسی ابتداء سے ہی وہ نیک بخت ہوتا ہے یا بد بخت!

لیکن اگر احادیث کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہر بچہ مسلمان اور فطرت اسلام میں پیدا ہوتا ہے جہاں تک تعلق ہے نیک بخت اور بد بخت کا تو اس کا تعلق مستقبل یعنی بلوغت کے بعد سے ہے۔

(42) اللہ کی رؤیت

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاندنی رات کو چاند کو دیکھتے ہو''۔

جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ''(الانعام آیت103)

''اس کو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب کی نگاہوں کا احاطہ کر لیتا ہے''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

''لَنْ تَرَانِیْ'' (الاعراف آیت 143) تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''۔

تطبیق

بظاہر حدیث اور آیت کے درمیان تضاد ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت والے دن مؤمنین صالحین لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جبکہ قرآن کی آیات کہہ رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کا ادرک کوئی نگاہ نہیں کرسکتی۔ اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو دیکھنے کا ذکر ہے اور آیت میں جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی نفی ہے کہ کوئی نگاہ اللہ تعالیٰ کا ادراک واحاطہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس کا احاطہ کرنا کسی نگاہ کی بس کی بات نہیں۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ اس دنیا میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کو دیکھ سکتا ہے لیکن اس کی وسعت کی وجہ سے اس کا احاطہ نہیں کر پاتا۔ جب یہاں اس طرح ہے تو وہ اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق ہے۔ تو کسی نگاہ کا اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جہاں تک بات موسیٰ علیہ السلام کو منع کرنے کی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کہا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے تو اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ناممکن ہے لیکن آخرت میں ممکن ہے اور اس بات کو قرآن مجید بھی ثابت کرتا ہے۔ (وجوہ یومئذ ناظرہ) (القیامۃ 22) کہ اس دن تروتازہ چہرے اپنے رب کی طرف دیکھیں گے۔

(43) جس بچی کو زندہ گاڑ دیا گیا ہو کیا وہ بھی گاڑنے والے کے ساتھ جہنم میں جائے گی یا نہیں؟

''نبی ﷺ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور زندہ گاڑنے والی جہنم میں ہیں''۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو شخص زندہ دفنا رہا ہے اس کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آرہا ہے لیکن جس بچی کو گاڑا ہے اس کو کس گناہ کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا جارہا ہے۔

تطبیق

کسی بھی حدیث پر اعتراض کرنے سے پہلے اس حدیث کا پس منظر دیکھنا چاہئے اگر ہم حدیث کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پس منظر کی طرف غور کریں تو صحیح بات کا علم ہو جائیگا۔

حدیث کا پس منظر یہ ہے:

''مسلمہ بن یزید اور ان کے بھائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری ماں امیر زادی تھی اور وہ صلہ رحمی کرتی تھی مہمان نوازی کرتی تھی اور بھی نیک کام کرتی تھی لیکن جاہلیت میں ہی مر گئی کیا اس کو نیک کاموں کا نفع ملے گا آپ ﷺ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا کہ اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ دفن کر دیا ہے کیا وہ بھی اسے کچھ نفع دے گا آپ ﷺ نے فرمایا زندہ گاڑی ہوئی اور گاڑنے والی جہنم میں ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام قبول کر لے''۔

اب اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زندہ گاڑی ہوئی بچی کو جہنمی اس کے گاڑے جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے کفر کی حالت میں مر جانے کی وجہ سے جہنمی ہے۔

اور دوسرا یہ کہ نبی ﷺ کی مراد بالغ جوان لڑکی ہے نہ کہ وہ بچی جس کو کم سنی اور بلوغت کی عمر سے پہلے زندہ دفنا دیا جائے۔

(44) انسان کی عمر میں زیادتی کی جائے تو کیا یہ تقدیر کے خلاف ہے؟

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر اپنی عمر میں زیادتی چاہتے ہو تو صدقہ و خیرات کثرت سے کرو''۔

اس طرح کے مضمون برّ والدین کے بارے میں بھی منقول ہے کہ برّ والدین سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔

''من بسره ان يبسط الله رزقه اوينسأ له فى اثره فليصل رحمه''

(رواہ مسلم 2557، وابوداؤد 1693، وابن حبان 439)

جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''هو الذى خلقكم من طين ثم قضىٰ اجلا واجل مسمى عنده ثم انتم تمترون''

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر زندگی کا ایک وقت مقرر کر دیا''۔

اس آیت اور حدیث میں ظاہراً تصادم نظر آتا ہے کہ حدیث یہ ثابت کر رہی ہے کہ صدقہ خیرات اور بر والدین سے انسان کی زندگی بڑھا دی جاتی ہے۔ جبکہ زندگی کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ دوسری جگہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''کسی امت کو اس (زندگی) مقررہ وقت سے آگے پیچھے نہیں کیا جاتا''۔

جب ایک وقت مقرر ہے انسانی زندگی کے لئے تو پھر اس حدیث کا کیا مفہوم ہے کہ صدقہ خیرات و بر والدین سے عمر میں زیادتی ہوگی۔

تطبیق

ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور ہر چیز کا فیصلہ لوح محفوظ میں مکتوب ہے لہٰذا انسان کا صدقہ وخیرات کرنے کی وجہ سے عمر میں طوالت کا ہونا بھی لوح محفوظ میں تحریر ہے۔ پس حدیث اور آیت میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ انسان کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے۔ صدقہ وخیرات کی وجہ سے زیادتی ہوجانا بھی اس میں یعنی وقت مقرر میں شامل ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہاں جو حدیث میں زیادتی کا ذکر ہے یہ طوالت طبعی نہیں ہے بلکہ اس زیادتی سے مراد اس کی عمر میں برکت کا آنا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اس کی عمر میں برکت آجائے گی اور جو آیت میں کمی زیادتی کا ذکر ہے وہ طبعی زیادتی ہے معنوی نہیں۔ فافھم

(45) نماز میں سلام کا جواب لوٹانا چاہئے یا نہیں

''عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر نماز کی حالت میں سلام کہا آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا''۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے میں ناپسند سمجھتا ہوں کہ کوئی مجھے نماز کی حالت میں سلام کرے''۔

تطبیق

بظاہر دونوں احادیث میں تعارض ہے لیکن اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے نہ تو ناپسند کیا ہے اور نہ منع کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ہے کہ میں ناپسند سمجھتا ہوں کہ کوئی مجھ پر نماز کی حالت میں سلام کرے ہاں اگر کوئی سلام کرے گا تو میں اس کا جواب دوں گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشارۃ اس لئے کہ شروع اسلام میں منہ سے سلام کا جواب الفاظ کے ساتھ جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا مگر الفاظ کے ساتھ نہ کہ اشارۃ سے اس لئے کہ آپ ﷺ سے اشارۃ جواب دینا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(46) عصر کے بعد دو رکعتوں کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب بھی عصر کے بعد گھر میں داخل ہوتے تھے تو وہ دو رکعتیں پڑھتے تھے''۔

(رواہ احمد 254/6 صحیح ابن حبان 1570 والبخاری کتاب الصلاۃ ومسلم والترمذی والنسائی وابوعوانہ والحمیدی وابن حبان والدارمی والطحاوی والبیہقی وابوداؤد)

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ:

''نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھیں یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے اور فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے''۔

(رواہ احمد 130 والطیالسی 29 وابن ابی شیبہ 349/2 والدارمی 333/1 ومسلم 826 والترمذی 183 والبزار 185 والنسائی 276/1 وابویعلی 147 وابن خزیمہ 272 وابوعوانہ 380/1)

تطبیق

ان احادیث میں تطبیق یوں ہے کہ آپ ﷺ نے جو منع کیا ہے وہ اس وقت کے بارے میں ہے جب سورج میں زردی ہو یعنی غروب ہونے والا ہو ہاں اگر سورج زرد نہیں ہے اور بلند یعنی اس کی تپش باقی ہو تو اسی حالت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ سے اور صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے۔

(47) نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں نماز پڑھی تھی یا نہیں

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی دو دیواروں کے درمیان جن کی لمبائی تین ذراع تھی۔

(مالك فی الموطا کتاب الحج والبخاری کتاب الصلاۃ والشافعی وابن ابی شیبہ والطبرانی والطحاوی والبیہقی فی سنہ 327/2)

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فضل بن عباس سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بے شک داخل ہوئے کعبہ میں اور آپ نے دعا کی اور استغفار کیا اور نماز نہیں پڑھی۔

(اخرجه الدارقطنی 52/2 احمد والبخاری فی صحیحه 104/1 ومسلم فی صحیحه کتاب الحج وابن حبان فی صحیحه)

تطبیق

بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے لیکن اگر ہم غور کریں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے تو وہ صحابی روایت کر رہے ہیں جو آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہوئے تھے یعنی بلال اور عبداللہ بن عمر اس لئے انہوں نے دیکھا تھا کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور جو صحابہ نہ پڑھنے کی روایت بیان کر رہے ہیں وہ آپ ﷺ کے ساتھ داخل نہیں ہوئے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا نماز پڑھتے ہوئے اس لئے کہہ دیا نماز نہیں پڑھی اس لئے کہ صحابہ وہی بات کہتے ہیں جس کا علم ہو ان صحابی کو علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے اپنے علم کے مطابق خبر دی۔

(48) بلی کے منہ ڈالنے سے برتن کو دھونا چاہیئے یا نہیں؟

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے برتنوں کی پاکیزگی جب کتا منہ مارے تو ساتھ مرتبہ دھونے پر اور اگر بلی مارے تو ایک مرتبہ دھونے پر ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ:

''عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک رات وضو کیا پھر ایک بلی آئی اور اس نے برتن سے پانی پی لیا (کچھ دیر بعد) پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اس برتن سے پانی پیا''۔

بظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے اس طرح کہ ایک طرف آپ ﷺ اس برتن کو دھونے کا حکم دے رہے ہیں جس برتن میں بلی نے منہ مارا ہو دوسری طرف اس سے پانی پی رہے ہیں۔

تطبیق

اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ نبی ﷺ جس برتن سے پانی پی رہے ہیں وہ برتن وضو کا تھا یعنی کوئی بڑا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برتن تھا جس سے دومرتبہ وضو کیا پھر پانی پیا، اور جس برتن کو دھونے کا حکم دیا وہ برتن چھوٹا ہے اس لئے کہ چھوٹے برتن میں اثرات زیادہ پائے جاتے ہیں بڑے برتن کے مقابلہ اگر کوئی اثرات گر جائے، اور دوسری بات یہ کہ احتیاطاً منع کیا ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ بلی کوئی گندی چیز کھا کر آرہی ہو کہ جس کے بارے میں منع کیا۔ یعنی چوہا وغیرہ اس لئے منع کیا نہ کہ لازمی طور پر منع کیا۔

(49) جنابت کی حالت میں روزہ رکھا جائے یا توڑ دیا جائے؟

''آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص صبح کو اس حالت میں پائے کہ وہ جنبی ہو تو وہ روزہ نہ رکھے''۔

(اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین رواہ البخاری 1925 ومسلم 1109، وابوداؤد 2388 والترمذی 779 وابن خزیمہ 2011 والدارمی 13/2 وعبدالرزاق 7396 والطبرانی 588/23 والبیھقی 214/4 والبغوی 1715 وابن الجارود 292 وابن ابی شیبہ 80,81/3 والشافعی فی مسندہ 259/1، 260)

جبکہ دوسری عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ:

''آپ ﷺ نے ایک دفعہ صبح اس حالت میں کی کہ آپ جنبی تھے اور آپ ﷺ نے غسل کیا اور اپنا روزہ پورا کیا''۔ (رواہ النسائی فی الکبری کمافی فی التحفہ 103/3)

تطبیق

بظاہر یہ دونوں روایتیں آپس میں متعارض ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو اس حالت میں پائے کہ وہ جنبی ہو تو روزہ نہ رکھے اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جنبی حالت میں غسل کر کے روزہ پورا کیا۔

دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امی عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ تھیں وہ ان مسائل کو زیادہ جانتی تھیں اور ان کی بیان کردہ حدیث اس مسئلہ میں زیادہ راجح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں راتوں کو بسر فرمایا کرتے تھے اور جہاں تک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو اس مسئلہ میں عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث راجح ہونگیں۔ دیکھئے: (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۳۹۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دجال کے متعلق متضاد روایات اور ان میں تطبیق

دجال کے متعلق روایات حدیث میں اختلاف کی وجہ سے عام لوگ مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں حتیٰ کہ بہت سے علم کے دعوے دار حضرات بھی اس مسئلہ میں شش و پنج کا شکار ہیں جن میں صاحب کتاب (دجال کے کارنامے) محمد ہادی صاحب نے اپنی کتاب ''عقیدۂ خاتم النبین'' میں ''ھٰذا دجال'' کے متعلق متضاد روایات کا باب باندھ کر دجال کی صفات سے متعلق ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے جو بظاہر آپس میں متعارض ہیں اور ان احادیث کی اسناد و متون کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ''مصنف'' نے ان تعارض کا ذکر کیا ہے جن کو محدثین نے ایک عرصہ قبل احادیث میں تطبیق دے کر دور کر دیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' اور ابو العباس قرطبی نے ''بشرح المفهم بشرح الصحيح مسلم'' اور امام نووی نے ''شرح النووی'' میں ذکر کیا ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

اگر مصنف صحیح بخاری و صحیح مسلم کو ان کی شروحات کے ساتھ اور انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ مصنف اپنے رسالے (عقیدۂ خاتم النبین) میں سورہ نسآء کی آیت: 159 ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ'' کے متعلق کہتے ہیں کہ ''قبل موتہ'' میں ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا مذہب ہے کہ ''قبل موتہٖ'' میں ضمیر کتاب کی طرف پلٹتی ہے۔ (عقیدئہ خاتم النبین دوسرا ایڈیشن صفحہ: 11)

مصنف امام نووی کی اس بات پر تو اعتماد کر رہے ہیں لیکن امام نووی کی اس تطبیق پر اعتماد نہیں کرتے جو انھوں نے ان احادیث میں دی ہے جو دجال کی صفات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مصنف صرف ان ہی باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جو ان کے اپنے نظریہ کے مطابق ہوں اور ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے جو ان کے باطل عقائد و نظریات سے متصادم ہوں۔

اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں جو منکرین حدیث نے صحیح احادیث پر کئے ہیں۔

(1) دجال کے متعلق متضاد روایات:۔ اسکی مندرجہ ذیل شقیں ہیں ہم آپ کے سامنے ان کے نمبر وار جوابات پیش کریں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شق نمبر1:

إن المسیح الدجال أعور العین الیمنیٰ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔(صحیح مسلم جلد2ص399) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد منکرین حدیث نے سب سے پہلے اس کی سند پر تنقید کی ہے کہتے ہیں:

" قال المیمونی تذاکرنا یوماً فقال رجل ابن أبی شیبه یقول عن عفان فقال أحمد بن حنبل : دع ابن ابی شیبة فی ذاوانظر مایقول غیره یرید أبو عبدالله کثرة خطئه "

میمونی نے کہا: ایک دن ہم مذاکرہ کررہے تھے کہ ایک آدمی نے کہا: ابن ابی شیبہ، عفان سے روایت کرتا ہے پس احمد بن حنبل نے کہا: اس (حدیث کے معاملہ) میں ابن ابی شیبہ کو چھوڑ دو دیکھو اس کے علاوہ کوئی اور کیا کہتا ہے؟ یعنی احمد بن حنبل اس کو کثیر الخطاء سمجھتے تھے۔

"وقال جعفر الفریابی : سألت محمد بن عبدالله بن نمیر عن بنی شیبة ثلاثتهم فقال فیهم قولاً لم أحب أن أذکره .(میزان الاعتدال جلد 2ص490)

جعفر فریابی نے کہا: میں نے محمد بن عبداللہ بن نمیر سے شیبہ کے تینوں بیٹوں کے متعلق پوچھا تو اس نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی کہ اس کو بیان کرنا میں پسند نہیں کرتا۔

شق نمبر2 :

الدجال أعور العین الیسریٰ دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔(مسلم جلد2صفحہ400)

شق نمبر3 :

درایت کے لحاظ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں اور دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے اگر بالفرض دجال کانا نہ ہوتا تو کیا پھر اس میں اور اللہ میں (نعوذ باللہ) مشابہت ہوتی ؟ نہیں تو اللہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا فائدہ ہے سوائے کفر کے۔

شق نمبر4 :

متن اور سند پر تبصرہ: اگر دجال دائیں یا بائیں آنکھ سے کانا نہ ہوتا تو کیا نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ مشابہت رکھتا دجال کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ اللہ کانا نہیں، اس میں اللہ کی ذات کی توہین ہے۔ درایت کے لحاظ سے بھی خلاف قرآن ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شق نمبر5 :

اورسند کے لحاظ سے بھی اس میں ابومعاویہ ہے جوخبیث مرجئیہ ہے(تھذیب التھذیب جلد 9صفحہ121)

(دجال کے کارنامے ص15-16)

شق نمبر1 کا جواب:

حدیث کی سند پر جرح کا ازالہ:-

قارئین کرام منکرین حدیث کے صحیح مسلم کی اس حدیث پر وارد کردہ اعتراضات اور ہرزہ سرائی کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غلام احمد پرویز کے یہ چیلے دوحال سے خالی نہیں ہیں۔

1) اصول حدیث میں انتہائی نکمے اور بے خبر ہیں۔حدیث کے اصول سے یا تو ان کو چڑ ہے یا اس علم سے انھیں کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

2) صحیح مسلم کی اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے انتہائی خیانت سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو غلام احمد پرویز اور عبداللہ چکڑالوی کے صحیح جانشین اور مسند نشین ہونے کا ثبوت دیا ہے۔علم رجال میں ان کی حالت وہی ہے جو مکتب حدیث کے ابتدائی طالب علم کی ہوتی ہے۔اب ان کے ایک ایک اعتراض کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو علم حدیث کے دفاع کرنے والوں کے خاک پا میں شامل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اب ہم صحیح مسلم کی سند کے مرکزی راوی ابوبکر ابن ابی شیبہ پر ہونے والے اعتراض کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں قارئین کرام!اگر آپ منصفانہ طور پر ابوبکر ابن ابی شیبہ کے بارے میں علم جرح وتعدیل کی کتابوں کی ورق گردانی کریں گے تو آپ حتمی طور پر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی جرح کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ ابوبکر ابن ابی شیبہ پر کی جانے والی جرح غیر مفسر ہے اور یہ علم جرح وتعدیل کا متفق علیہ اصول ہے کہ اگر کسی راوی میں جرح وتعدیل جمع ہوجائیں اور جرح غیر مفسر ہو تو تعدیل مقدم ہوگی وگرنہ جرح مقدم ہوگی دیکھئے:(علوم الحدیث لابن الصلاح ص 106-109قواعد المحدثین ص 280-283) لہٰذا ابوبکر ابن ابی شیبہ پر جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔جمہور محدثین نے ابوبکر ابن ابی شیبہ کی تعدیل وتوثیق کی ہے۔

(1) قال أحمد: أبوبكر صدوق ،احمد بن حنبل فرماتے ہیں ابوبکر بن ابی شیبہ (صدوق) سچے ہیں۔

(2) وقال العجلي: ثقة ،عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3) وقال أبو حاتم وابن خرش: ثقة، ابوحاتم اور ابن خراش نے ان کو ثقہ کہا۔

(4) وقال عمرو بن علی: مارأیت أحفظ من أبی بکر، عمرو بن علی نے کہا: میں نے ابوبکر سے زیادہ حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔

(5) یہی بات ابوزرعہ نے کہی ہے۔

(6) وقال ابن قانع: ثقة ثبت، ابن قانع نے ان کو ثقہ اور ثبت کہا ہے۔

(7) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ابن حبان اپنی کتاب ''الثقات'' میں ابوبکر کے متعلق فرماتے ہیں: کان متقناً حافظاً دیناً، ابوبکر حافظ، متقی اور صاحب دین تھے۔

(تهذیب التهذیب جلد 4 ص 466-465)

منکرین حدیث نے خیانت کرتے ہوئے میزان الاعتدال کے حوالے سے میمونی کا قول تو نقل کر دیا لیکن اس کے بعد خطیب بغدادی کا قول نقل نہیں کیا جو اس طرح ہے:

"قال الخطیب أریٰ أن أحمد لم یرد ماذکرہ المیمونی من أن أبا بکر کثیر الخطاء"

(میزان الاعتدال جلد 2 ص 377)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے احمد بن حنبل کا یہ ارادہ نہیں تھا جو میمونی نے ذکر کیا کہ احمد بن حنبل ابوبکر کو کثیر الخطا سمجھتے تھے۔

اسی طرح فریابی کا قول ذکر کر دیا ہے لیکن امام ذہبی نے فریابی کے اس قول کے بعد جو ارشاد فرمایا ہے وہ ذکر نہیں کیا امام ذہبی نے اس قول کو ابن ابی شیبہ کے ترجمہ کے بالکل آخر میں ذکر کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قلت: "أبو بکر ممن قفز القنطرة والیه منتهٰی فی الثقة"

میں کہتا ہوں کہ ابوبکر ان لوگوں (محدثین) میں سے ہیں جنھوں نے بلند عمارتوں کو اچھل کر کراس کیا ہے (علم حدیث میں ان کو بڑا مقام حاصل تھا) اور ثقاہت ان پر ختم تھی۔ (میزان الاعتدال جلد 2 ص 377)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منکرین حدیث جب حوالہ نقل کرتے ہیں تو کتنی خیانت سے کام لیتے ہیں۔ منکرین حدیث نے ''دع ابن ابی شیبہ'' کا ترجمہ کیا ہے کہ ابن ابی شیبہ کو (حدیث کے معاملہ) میں چھوڑ دو۔ قوسین کا درمیان جملہ خود ساختہ ہے امام احمد کا قول نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہادی صاحب نے ابوبکرابن ابی شیبہ پرعلی ابن مدینی کی جو جرح نقل کی ہے وہ جرح وتعدیل کی کتابوں میں موجود نہیں پتہ نہیں ہادی صاحب نے کس نامعلوم کتاب سے یہ جرح نقل کرنے کی زحمت کی ہے؟! حالانکہ ابوبکرابن ابی شیبہ،علی ابن مدینی کے اقران میں سے ہیں اور بڑے پایہ کے حافظ الحدیث تھے۔

(تہذیب الکمال جلد 16ص319تہذیب التہذیب جلد 4ص464میزان الاعتدال جلد 2ص377)

علامہ ذہبیؒ ابن ابی شیبہ کے ترجمہ کے آغاز میں فرماتے ہیں:''**الحافظ الکبیر الحجة**''''حافظ کبیر (بڑے حافظ حدیث)اور حجت ہیں''اور سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں: **الامام ، العلم ، سیدالحفاظ، وصاحب الکتب الکبار :(المسند ، والمصنف ،و التفسیر**(۸/۵۷)۱۹۷۹اورتذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:''**الحافظ عدیم النظیر ، الثبت**''

''محدثین میں بلند اور عقل فہم والا''(۲/۷۱ـت ۹۳۴)جس محدث کی یہ شان ہو اس پر غیر مفسر جرح کے ایک دو جملے نقل کر کے اسے مجروح قرار دے دینا ظلم کی انتہا ہے جبکہ ان کے ثقہ ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

ابوبکرابن ابی شیبہ کے مختصر و مفصل حالات کا جائزہ مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(سیر اعلام النبلاء 1979(75/8) تاریخ الاسلام 6771 (258) شذرات الذھب (204/2) لسان المیزان 3239 (457/8) تاریخ بغداد 518 (22/10) تاریخ الثقات للعجلی 878 (ص276) الجرح والتعدیل 8071 (196/5) رجال صحیح مسلم 852 (385/1) الوافی بالوفیات (225/5) البدایۃ والنہایۃ (139/11) الکاشف 977 (120/2) الطبقات لابن سعد (413/6)

شق نمبر2 کا جواب:

دجال کی نشانیاں

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ابوداؤد کی یہ مذکورہ حدیث عبادہ بن صامت کی حدیث کے موافق ہے جس کا لفظ یہ ہے''**رجل قصیر أفحج**''چھوٹے قد کا آدمی جس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان فراخی ہو اور مذکورہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ''**جعد اعور مطموس العین ولیس بناتئة ولاھجراء**''(۴۳۳۰) گھنگھریالے بالوں والا کانا پچکی ہوئی ایسی آنکھ جو نہ ابھری ہوئی ہو اور نہ گہری ہو اور سخت بھی نہ ہو اور عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (**ممسوح العین**) کا لفظ ہے۔بمعنی برابر آنکھ والا۔سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے اور دونوں کی حدیث طبرانی میں موجود ہے لیکن دونوں کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''اعور العین الیسری'' بائیں آنکھ سے کانا صحیح مسلم میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی طرح ہے اور یہ سارے کے سارے الفاظ باب کے تحت آنے والی حدیث کے خلاف ہے جو کہ' اعور العین الیمنی' کے الفاظ کے ساتھ ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے پس یہ راجح قرار پائے گی۔ابن عبدالبر نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔قاضی عیاض نے دونوں حدیثوں کو جمع کر کے کہا کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔مطموسہ اور ممسوحۃ دونوں عیب دار ہونگی یعنی وہ دائیں آنکھ جس کی روشنی ختم ہو چکی ہوگی جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور جاحظہ ابھری ہوئی جو کہ ستارہ اور دیوار میں سوکھے ہوئے بلغم کی مانند ہوگی اس سے مراد طافیہ ہے جو کہ بائیں آنکھ میں ہوگی جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے ان ساری باتوں سے پتہ چلا کہ اس کی دونوں آنکھیں عیب دار ہونگی ہر چیز میں اعور کا لفظ عیب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہونگی ایک آنکھ روشنی ختم ہو جانے کی وجہ سے حتٰی کہ اس کا ادراک بھی ختم ہو چکا ہوگا اور دوسری آنکھ ابھری ہوئی ہونے کی وجہ سے عیب دار ہوگی۔امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق بہترین ہے۔قرطبی المفہم میں فرماتے ہیں کہ قاضی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہونگی ایک آنکھ کچھ لگنے کی وجہ سے اس کا ادراک ختم ہو گیا اور دوسری پیدائشی طور پر عیب دار ہوگی لیکن یہ تاویل بعید ہے کیونکہ روایت میں دونوں آنکھوں میں سے ایک کی صفت اسی طرح موجود ہے جس طرح دوسری آنکھ کی صفت عیب دار ہونے کا ذکر ہے پس اس پر غور کرو اور صاحب مفہم قرطبی نے تذکرہ میں یہ جواب دیا ہے کہ قاضی کی تاویل صحیح ہے پس بے شک پچکی ہوئی (مطموسہ) ابھری ہوئی نہیں ہے اور نہ گہری ہے یہ وہی آنکھ ہے جس کا ادراک مفقود ہے اور دوسری آنکھ کی صفت اس طرح بیان کی گئی کہ اس پر موٹا پردہ ہے اگر اس پردہ کو نہ ہٹایا جائے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے اس قول کے بعد پتا چلا کہ عیب کی صفت دونوں میں ہے کیونکہ پردہ بھی موٹا ہونے کی وجہ سے ادراک (بینائی) سے مانع ہے پس دجال اندھا ہوگا یا اندھا ہونے کے قریب ہوگا مگر (ظفرہ) پردہ کا ذکر دائیں آنکھ میں سفینہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے اور بائیں آنکھ میں سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔یہ وہی بات ہے جس کی طرف اس کے شیخ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کا وصف اسی طرح آیا ہے جس طرح دوسری کا وصف بیان ہوا ہے پھر تذکرہ میں کہتے ہیں احتمال ہے کہ دونوں آنکھوں پر پردہ ہو۔حذیفہ کی حدیث میں یہ لفظ ہے کہ وہ ممسوح العین ہے اس پر موٹا پردہ ہے کہتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اگر ممسوحہ کے اوپر پردہ ہے پس جو ممسوحہ نہیں بالاولیٰ اس پر پردہ ہونا چاہیئے۔کہتے ہیں کہ ظفرہ کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لوتھڑے کی مانند ابن حجر فرماتے ہیں: مسند احمد میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرح واقع ہوئی ہے''وعینه الیمنٰی عوراء جاحظة لاتخفی کانها نخاعة فی حائط مجصص وعینه الیسری کأنها کوکب دری''تو دونوں آنکھوں کا وصف ایک ہی طرح وارد ہوا ہے۔ابویعلیٰ میں بھی اس طرح ہے کہ''أعور ذو حدقة جاحظة لاتخفی کأنها کوکب دری''اور یہ روایت شاید زیادہ واضح ہے اس لئے کہ (کوکب) کے ساتھ اس کا وصف وارد ہونا اس کی چمک کی زیادتی مراد ہے یہ وصف طمس کے خلاف ہے احمد اور طبرانی میں أبی ابن کعب کی حدیث اس طرح ہے ''احدی عینیه کانها زجاجة خضراء''یہ کوکب والی صفت کے موافق ہے۔احمد اور طبرانی میں سفینہ کی حدیث اس طرح ہے''أعور عینه الیسریٰ بعینه الیمنٰی ظفرة غلیظة''ان تمام اخبار کا ماحصل یہ ہے کہ طافیۃ میں صحیح بات یہ ہے کہ بغیر ہمزہ کے ہے۔باب کی روایت میں اس کو یمنیٰ کے ساتھ مقید کیا گیا یعنی طافیۃ دائیں آنکھ ہے اور عبداللہ بن مغفل کا سمرہ اور ابوبکرہ کی حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ اس کی بائیں آنکھ ممسوحہ ہے اور طافیۃ نکلی ہوئی وہ ممسوحہ کے علاوہ ہے اور تعجب ان لوگوں پر ہے جو طافیۃ میں ہمزہ کے ہونے اور نہ ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں ایک ہی حدیث میں معنی کے تضاد کے باوجود اگر یہ دونوں حدیثوں میں ہوتا تو معاملہ آسان ہوتا رہی بات ظفرہ کی تو دونوں آنکھوں میں اس کا ہونا درست ہے کیونکہ طمس میں نتوء میں کوئی تضاد نہیں۔جس میں روشنی نہیں وہ مطموسہ ہے اور روشنی کے باوجود عیب دار آنکھ ابھری ہوئی ہوگی اور چونا کی ہوئی دیوار پر پڑی بلغم کے ساتھ اس کی تشبیہ انتہائی بلیغ ہے اور اس کو سبز شیشے اور چمکتے ہوئے ستارے کے ساتھ تشبیہ دینا اس کے منافی نہیں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی آنکھ ابھری ہوئی ہونے کے باوجود اس میں ادراک باقی رہتا ہے اور دجال بھی اسی قبیل سے ہوگا۔

دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق

منکرین حدیث یہاں پر دونوں حدیثوں میں یہ تعارض پیش کرنا چاہ رہے ہیں کہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔جو کہ یہ منکرینِ حدیث کے قلت علم اور کم فہمی کا نتیجہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام نووی ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہونگی ایک آنکھ انگور کی طرح ابھری ہوئی ہوگی اور دوسری آنکھ پچکی ہوئی ہوگی۔''

(شرح النووی جلد 8ص63)

اسی طرح حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس سے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے اور ساری احادیث کو جمع کر کے اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔(فتح الباری جلد 13ص122-121)

اسی طرح ابوالعباس القرطبی نے المفہم شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے قاضی ابوالعباس کا قول ذکر کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں یہی تطبیق دی ہے۔(المفہم شرح مسلم جلد 7ص275) اور پھر محدثین کا اصول ہے کہ جس حدیث میں بخاری اور مسلم متفق ہوں اسے ان میں ہر ایک کی الگ روایت کردہ حدیث پر ترجیح ہوگی۔(منۃ المنعم جلد 4ص373) اس تطبیق کو آپ اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک گھر ہے اس کے دونوں طرف آگے اور پیچھے دروازیں ہیں۔اگر کہا جائے کہ گھر کے آگے کی طرف دروازہ ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر کہا جائے کہ گھر کی پچھلی طرف دروازہ ہے تو بھی صحیح ہے کیونکہ دروازے دونوں طرف ہیں اور اگر کوئی ان دونوں باتوں میں تعارض سمجھتا ہے تو اس کی جہالت ہے۔ تعارض تو جب ہوتا کہ جب ایک جگہ کسی چیز کا اثبات کیا جارہا ہوتا اور دوسری چیز کی نفی کی جارہی ہوتی اور دوسری جگہ سے پہلی چیز کی نفی کی جارہی ہوتی اور دوسری چیز کو ثابت کیا جارہا ہوتا لیکن ایسا بالکل نہیں لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں اور نہ کبھی دو صحیح حدیثوں میں تعارض ہوسکتا ہے۔

شق نمبر3 کا جواب:

متن پر تنقید اور اس کا جواب

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث میں تشبیہ ہے جہالت پر مبنی ہے۔حدیث میں تشبیہ نہیں بلکہ تشبیہ کی نفی ہورہی ہے۔حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ''إنه اعور وإن الله ليس بأعور '' دجال میں (حدوث) آغاز وابتدا کے دلائل واضح ہونے کے باوجود یہاں پر حدیث میں اکتفا ہے کیونکہ کانا پن ایسی محسوس نشانی اور علامت ہے کہ اس کا ادراک ایک عالم اور عامی (بے علم) اور عقلی دلائل سے بے خبر آدمی بھی کرسکتا ہے اور معبود (اللہ) نقائص اور عیوب سے پاک اور بلند ہے۔دجال ناقص الخلقت ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے باوجود جب رب ہونے کا دعوٰی کرے گا تو اس کا جھوٹا ہونا خود بخود ثابت ہو جائے گا (کیونکہ رب وہ ہوتا ہے جس پر نقصان اور عیوب طاری نہ ہوں)۔

صحیح مسلم میں یونس اور ترمذی میں معمر کے طریق سے یہ الفاظ زیادہ ہیں جیسا کہ امام زہری فرماتے ہیں: مجھے عمر بن ثابت انصاری نے بتایا کہ ان کو آپ ﷺ کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ آپ ﷺ نے ایک دن لوگوں کو ڈراتے ہوئے فرمایا ''تعلمون إنه لن یریٰ أحد منکم ربه حتیٰ یموت'' تم جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی ایک ہرگز اپنے رب کو اس وقت تک نہ دیکھ سکے گا جب تک اسے موت نہ آئے۔ اس حدیث میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ دجال کا دعوٰی رؤیت جھوٹ ہوگا کیونکہ اللہ کی رؤیت موت کے ساتھ مقید ہے اور دجال دعوٰی کرے گا کہ وہ اللہ ہے اس کے باوجود لوگ اسے دیکھیں گے۔ (پس معلوم ہوا کہ دجال ہرگز الٰہ نہیں ہوسکتا)

شق نمبر 4 کا جواب:

حیرت کی بات ہے کہ منکرین حدیث نے اس حدیث کے متن کو نہیں سمجھا وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دجال کو (نعوذ باللہ) اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ حدیث تشبیہ نہیں دے رہی بلکہ دجال کی اللہ کے ساتھ تشبیہ کی نفی کر رہی ہے اگر تشبیہ دی جا رہی ہوتی تو یوں ہوتا کہ دجال کانا ہے اور (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے لیکن حدیث میں ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث تشبیہ کی بیخ کنی کر رہی ہے ہم اگر ''لَـــو'' (اگر) کا دروازہ کھولیں تو پھر اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق گویا ہم نے شیطان کو اپنے معاملات میں بآسانی دخیل بنا دیا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ '' لو تفتح عمل الشیطان ''(لَوْ) اگر شیطانی کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے اس لئے ''لو'' کہنے سے بچو۔ ہادی صاحب بھی اگر بالفرض وغیرہ الفاظ استعمال کر کے احادیث پر طعن کناں ہیں بالخصوص ان احادیث میں جن کا تعلق عقائد سے ہے یعنی ایمان بالغیب وغیرہ جن میں ''لو'' کہنے کی شدید ممانعت ہے اب ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہادی صاحب کے ساتھ شیطان خصوصی طور پر معاونت کر رہا ہے اور اس بات سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں (و العیاذ باللہ)

قارئین! دراصل بات یہ ہے کہ دجال اللہ کے حکم سے ایسے کارنامے انجام دے گا جس سے کمزور ایمان کے لوگ اسے خدا سمجھیں گے تو نبی ﷺ اپنی امت کو آگاہ کر رہے ہیں کہ دجال کو کوئی خدا نہ سمجھ بیٹھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام لوگ عموماً تھوڑے سے چھومنتر سے بھی متاثر ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص کے گرویدہ ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کی صفات امت کو بتا رہے ہیں تا کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوں اور دجال کو پہچان لیں اور یہ بات ان کو سمجھ میں آتی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی احادیث سے سچی محبت ہے اور ان لوگوں کو سمجھ میں نہیں آسکتی کہ جو احادیث صحیحہ سے دشمنی کر کے نبی ﷺ سے دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث میں دجال کے اس دعوٰی کو کہ وہ اللہ ہے ایک ظاہری نشانی اور علامت ہی سے رد کر دیا گیا اور وہ ظاہری نشانی یہ ہے کہ دجال کانا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس بری صفت سے پاک ہے مطلب یہ نہیں کہ اگر دجال کانا نہ ہوتا تو وہ اللہ کی مثل ہوتا۔(**نعوذبالله من ذلک**) بلکہ اگر دجال کانا نہ بھی ہوتا تو پھر بھی وہ ایک انسان ہی ہے اور کوئی چیز بھی اللہ کی مثل نہیں ہے کیونکہ اللہ بے مثل و بے مثال ہے (الشوریٰ: ۱۱) اور جب ایسا نہیں ہے تو إذا ليس فليس اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ موصوف نمرود کی طرح احمق بھی ہے کہ جیسے جب ابراہیم علیہ السلام نے بتایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو نمرود کہنے لگا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ میں زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں (البقرة : ۲۵۸)

آگے منکرین حدیث دوسری حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''**الدجال أعور العين اليسرىٰ**'' ''دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا (مسلم جلد 2 ص 400) سند کے لحاظ سے بھی اس میں ابومعاویہ جو **خبیث مرجیئہ تھا۔** (تهذيب التهذيب ،جلد 9 ص 121)

سند پر اعتراض کا جواب

یہاں منکرین حدیث ابو معاویہ پر جو جرح کر رہے ہیں وہ بھی غیر مفسر ہے منکرین حدیث نے تہذیب التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ خبیث مرجیئہ تھا تہذیب التہذیب میں ثقات ابن حبان کے حوالے سے مذکور ہے جبکہ ابومعاویہ کے لئے لفظ ''خبیث'' موجود نہیں یا تو یہ نقل کی غلطی ہے یا سہو ہے۔ اگر بالفرض یہ لفظ مذکور بھی ہوتا تب بھی اس سے ابومعاویہ پر جرح لازم نہیں آتی کیونکہ یہ لفظ ابومعاویہ کے لئے ان کے اعتقاد کی بنا پر کہا گیا ہے اور عقیدہ کی خرابی سے سند پر کوئی حرف نہیں آتا بالخصوص اس موقعے پر جب راوی کی بدعت خفیفہ ہو اور ارجاء بدعت خفیفہ میں شمار ہوتا ہے اور اس کے برعکس جمہور محدثین نے ابومعاویہ کی توثیق کی ہے جو تہذیب التہذیب میں موجود ہے لیکن منکرین حدیث نے اسے نظر انداز کر دیا دیگر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور خاص طور پر جب یہ اعمش

www.difaehadees.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کریں تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ محدثین یہ ہیں:

(1) امام نسائی (2) یعقوب بن شیبہ (3) ابن خراش (4) ابن حبان (5) امام عجلی (6) ابن معین (7) احمد بن حنبل (8) ابن سعد (9) ابن ابی حاتم (تهذيب التهذيب جلد 7 ص128-129)

اور یہاں بھی ابو معاویہ اعمش سے روایت کر رہے ہیں لہٰذا اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں اور جہاں تک بات ہے ابو معاویہ کے مرجیئہ ہونے کی تو اس اعتبار سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑھتا۔ کیونکہ اگر کسی محدث پر مرجی، قدری اور شیعہ وغیرہ ہونے کا الزام ہو اور وہ اس عقیدہ کی طرف داعی نہ ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحیحین میں بھی اس طرح کے رواۃ موجود ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، قواعد التحدیث، فتح المغیث)

شق نمبر 5 کا جواب:

ابو معاویہ پر منکرین حدیث کی جرح اور اسکا ازالہ:-

اب ہم اصول جرح وتعدیل کی روشنی میں صحیح مسلم کے ایک اور مرکزی راوی پر ہرزہ سرائی کا جائزہ لیتے ہیں ابو معاویہ صحیحین کے رجال میں سے ہیں لہٰذا ان پر جرح کرنا بے فائدہ ہے ابو معاویہ پر کی جانے والی جرح غیر مفسر ہے نیز ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی توثیق بیان کی ہے۔

(1) امام احمد اور یحیی بن معین کہتے ہیں: ہمارے نزدیک اعمش سے روایت کرنے میں ابو معاویہ زیادہ پسندیدہ ہیں۔

(2) ابن معین فرماتے ہیں: اعمش سے روایت لینے میں ابو معاویہ جریر سے زیادہ اثبت ہیں۔

(3) ابن مدینی فرماتے ہیں: ہم نے ابو معاویہ سے 1500 حدیثیں لکھیں۔

(4) وکیع فرماتے ہیں: ہم نے کسی کو نہیں پایا جو ابو معاویہ سے زیادہ اعمش کی احادیث کو جانتا ہو۔

(5) حسین بن ادریس فرماتے ہیں: میں نے ابن عمار سے کہا: اعمش سے روایت لینے میں علی بن مسہر زیادہ بڑے ہیں یا ابو معاویہ تو انھوں نے کہا: ابو معاویہ۔

(6) عجلی کہتے ہیں: کوفہ کے رہنے والے ثقہ ہیں۔

(7) یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: ثقات میں سے تھے۔ کبھی کبھی تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ رائے میں مرجیئہ تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(8) آجری ،ابو داؤد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرجئ تھے اور ایک مرتبہ انھوں نے کہا کہ کوفہ میں یہ مرجیئہ کے رئیس تھے۔

(9) امام نسائی فرماتے ہیں: ثقہ ہیں۔

(10) ابن خراش فرماتے ہیں: صدوق (سچے) ہیں ۔اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ اور اعمش کے علاوہ سے ان کی حدیث میں اضطراب ہے۔

(11) ابن حبان نے انھیں ''ثقات'' میں ذکر کرکے کہا: حافظ متقن تھے لیکن وہ مرجئ بھی تھے۔

(12) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ابن سعد نے کہا کہ ابو معاویہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے مدلس، مرجئ بھی تھے۔

(13) نسائی فرماتے ہیں: اعمش سے ثقہ ہیں۔

(14) ابو زرعہ فرماتے ہیں: رائے میں مرجئ تھے ان سے کہا گیا کہ کیا وہ ارجاء کی طرف دعوت دیتے تھے (ابو زرعہ) نے کہا: ہاں۔

(15) ابن ابی حاتم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اعمش سے روایت لینے میں سفیان اثبت ہیں پھر ابو معاویہ کا درجہ ہے اور معتمر بن سلیمان میرے نزدیک ابو معاویہ سے زیادہ پسندیدہ ہیں یعنی اعمش کے علاوہ سے روایت کرنے میں۔

(16) ابو داؤد فرماتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے کہا: ہشام بن عروہ سے ابو معاویہ کی حدیثیں کیسی ہیں انھوں نے کہا کہ ان حادیث میں کچھ اضطراب ہے ان میں سے کچھ کو مرفوع بیان کیا جاتا ہے ۔ ابو معاویہ الضریر پر تدلیس کا الزام ہے اور مدلس راوی جب اپنے شیخ سے سماع کی تصریح کردے تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ۔ نیز صحیحین کی احادیث عنعنہ کے باوجود بھی صحیح مانی جاتی ہیں کیونکہ شیخین نے ان احادیث کی تحقیق کرکے ہی انھیں صحیحین میں درج کیا ہے۔ان احادیث میں سماع کی تصریح دوسرے مقامات پر موجود ہوتی ہے۔

ابو معاویہ کے مختصر ومفصل حالات کو مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(سیر اعلام النبلاء ت 1469(40/7) رجال صحیح مسلم 1433(175/2) الطبقات لابن سعد (392/6) تاریخ الثقات للعجلی 450(403) الکاشف 4866(22/3) تاریخ الاسلام 5210(341/5) التاریخ الکبیر 191(74/1/1) الجرح والتعدیل 12903(330/7) تاریخ بغداد 794(299/2) شذرات الذھب (44/2) الوافی بالوفیات (139/2) تھذیب الکمال 5173(123/25)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منکرین حدیث صحیح مسلم کے مندرجہ ذیل حدیث پر تعارض پیش کر کے صحیح احادیث کو مشکوک کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔آیئے ان اعتراضات کا جائزہ لے کر قرآن وسنت اور صحیح اصولوں کی روشنی میں دندان شکن جواب دیں۔

(بظاہر تعارض)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام امامت کرائیں گے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ امامت کرنے سے انکار کر دیں گے۔منکرین حدیث نے ان دونوں روایتوں کے سند و متن پر بھی تنقید کی ہے۔

حدیث یہ ہے۔

''**اذااقیمت الصلاۃ فینزل عیسٰی بن مریمؑ فأمھم فاذا راہ عدو اللہ ذاب کمایذوب الملح فی الماء فلوترکہ لانذاب حتی یھلک ولکن یقتل اللہ بیدہ فیریھم دمہ فی حربتہ**'' (مسلم ح 2897)

''جب نماز کی اقامت ہو جائے گی تو عیسٰی بن مریم اتریں گے تو آپ ان (لوگوں) کی امامت کریں گے جب اللہ کا دشمن (دجال) اس (عیسٰی علیہ السلام) کو دیکھے لے گا تو وہ ایسے پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر وہ اس کو چھوڑے تو پگھل کر ہی ہلاک ہو جائے گا لیکن اللہ اس (دجال) کو اس کے ہاتھ سے قتل کرے گا پس لوگ اس (عیسٰی علیہ السلام) کے نیزے پر اس کا خون دیکھیں گے''۔

منکرین حدیث نے اس حدیث پر دو اعتراضات کئے ہیں۔

(1) یہ روایت قرآن کے خلاف ہے کیونکہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وفات قرآن سے ثابت ہے۔

(2) جب سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو دجال دیکھے گا تو ایسے پگھلے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے جب عیسٰی علیہ السلام کے پاس یہ معجزہ آپ کے دور نبوت میں نہیں تھا تو بقول لوگوں کے جب وہ امتی کی حیثیت سے آئیں گے تو ایسا معجزہ ان کے ہاتھوں کیونکر ہو گا اگر ہو گا تو پھر خاتم النبین علیہ السلام ہوئے جو قرآن کے خلاف ہے۔

جواب:۔

یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی صحیح حدیث قرآن کے خلاف ہو سکتی ہے اور نہ قرآن کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

یہ حدیث مختصر ہے اور جس حدیث میں ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام مسلمانوں کے امام کو نماز پڑھنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا کہیں گے وہ مفصل ہے اور یہ ابتدائی معاملہ ہے کیونکہ اس کے بعد سیدنا عیسٰی علیہ السلام ہی امام ہونگے اور آپ ہی قیادت فرمائیں گے۔ لہٰذا پھر وہی نماز بھی پڑھائیں گے۔ علم حدیث سے شغف رکھنے والے اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ بعض جگہ ایک حدیث میں اختصار ہوتا ہے اور دوسری جگہ وہی حدیث مفصل بیان ہوتی ہے لہٰذا یہ اعتراض کم علمی پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس طرح کی مثالیں موجود ہیں مثلاً، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ فرشتے بی بی سارہ کو سیدنا اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (سورہ ھود آیت 71) لیکن سورۃ الحجر آیت 53، سورۃ الذاریات آیت 28 میں ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت دیتے ہیں۔ اب منکرین حدیث بتائیں کہ قرآن کریم کے متعلق ان کا کیا فتویٰ ہے؟ اور قرآن کریم میں ایسا تضاد کیوں موجود ہے؟؟ **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

جہاں تک بات ہے منکرین حدیث کے دوسرے اعتراض کی کہ ایسا معجزہ (یعنی دجال کا عیسٰی علیہ السلام کو دیکھ کر پگھلنا) جب عیسٰی علیہ السلام کے دور نبوت میں ان کے پاس نہیں تھا تو اب کیونکر ہوگا تو یہ منکرین حدیث کی جہالت اور کم عقلی کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ یہاں دجال کے پگھلنے کا ذکر ہے اور جب دجال ہی عیسٰی علیہ السلام کے دور نبوت میں نہیں تھا تو پگھلتا کون؟؟؟ منکرین حدیث نے بیوقوفی کی حد کر دی۔

واضح رہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے کہ دجال سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو دیکھ کر پگھلے گا اور نبی کریم ﷺ نے اس بات کا ذکر حدیث میں بیان فرما دیا ہے لہٰذا اب منکرین حدیث کا یہ اعتراض اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ پر ہے؟ نیز یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان کی نبوت سلب نہیں ہو جائے گی۔ البتہ وہ اپنی شریعت جاری نہیں فرمائیں گے بلکہ وہ شریعت محمدیہ ﷺ کے پابند ہونگے اور بس۔ **فافھم۔**

سند پر اعتراض

منکرین حدیث نے اس حدیث کے راوی ''معلیٰ بن منصور'' پر جرح کی ہے، لکھتے ہیں:

''قیل لاحمد کیف لم تکتب عنه ؟قال: کان یکتب الشروط و من کتبھا لم یخل من ان یکذب'' (میزان الاعتدال جلد4ص139)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''احمد بن حنبل کو کہا گیا کہ اس سے روایت کیوں نہیں لیتے ؟ کہا یہ (راہ داریاں) گھٹیا اور ردی چیزیں لکھتا ہے اور جو کچھ لکھتا ہے۔ وہ جھوٹ سے خالی نہیں ہوتا اور احمد بن حنبل نے کہا'' کان یکذب'' وہ جھوٹ بولتا ہے''۔

کوئی شخص اگر حق پر نہیں ہوتا تو وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹ اور خیانت سے کام لیتا ہے یہاں منکرین حدیث نے کچھ اس طرح کا طرز اپنایا ہے۔

منکرین حدیث نے ''ومن کتبھا'' کا ترجمہ کیا ہے ''جو کچھ یہ لکھتا ہے'' حالانکہ اس کا اصل ترجمہ اس طرح ہوگا جو بھی کوئی یہ ''شروط'' لکھتا ہے کیونکہ لفظ ''من'' عربی زبان میں عاقل کے لئے استعمال ہوتا ہے گو اس کا ترجمہ یہی ہوگا جو ہم نے بیان کیا ہے۔ منکرین حدیث یہاں عبارت کا غلط ترجمہ کر کے بڑی خیانت سے کام لے رہے ہیں۔ اگرچہ احمد بن حنبل نے ''معلیٰ بن منصور'' پر جرح کی ہے تو اس کی وجہ یہ کہ معلیٰ بن منصور رائے پر اعتماد کرتے تھے نہ کہ ان کا مقصد معلیٰ بن منصور کو حدیث میں ضعیف قرار دینا تھا جیسا کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں امام ابوداؤد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے (میزان الاعتدال جلد 4 ص 139)

اور دوسری بات یہ کہ جمہور محدثین نے معلیٰ بن منصور کو ثقہ کہا ہے۔

1) قال ابو زرعة : ھو صدوق معلیٰ بن منصور سچا ہے۔

2) ابن معین: کہا کہ یہ ثقہ ہے

3) امام ذہبی: فرماتے ہیں معلیٰ بن منصور حدیث اور رائے دونوں میں بڑے متقن تھے۔

(میزان الاعتدال جلد 4 ص 139-140)

4) ابو حاتم نے انہیں صدوق فی الحدیث کہا ہے۔

5) ابن حبان: ثقات میں شمار کیا ہے

6) یعقوب بن شیبہ نے ثقہ اور متقن کہا ہے

7) ابن سعد نے صدوق کہا ہے

8) ابن عدی نے کہا ''**لا بأس به**'' (تہذیب التہذیب جلد 8 ص 279-278 اور تہذیب الکمال جلد 28 ص 294)

نیز معلیٰ بن منصور کی توثیق جمہور محدثین نے کی ہے اور وہ جمہور کے نزدیک ثقہ (قابل اعتماد) ہے لہٰذا ان پر کی گئی جرح مردود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں تقریب میں: ثقہ سنّی اور فقیہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.difaehadees.com

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان پر کذب کی تہمت لگائی ہے تو اس نے خطاء کی ہے۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ وہ الحافظ ہیں اور پھر انہوں نے امام العجلی کا قول نقل کیا کہ وہ ثقہ، ذہین اور صاحب سنت تھے۔ اور انہیں ایک سے زیادہ مرتبہ عہدہ قضاء پیش کیا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ (الکاشف 146/3)

یہ روایت ہے جس سے منکرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام امامت کروائیں گے اب ذرا اس روایت پر نظر ڈالتے ہیں جو منکرین حدیث عیسٰی علیہ السلام کے امامت نہ کروانے کے اثبات میں پیش کی ہے اور پھر اس پر جرح کی ہے منکرین حدیث ذکر کرتے ہیں:

''ینزل عیسی بن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الله هذه الامة''

(مسلم کتاب الایمان باب 71 نزول عیسی علیه السلام جلد 2ص87ح:156، دارالسلام ح:395)

''سیدنا عیسٰی ابن مریم اتریں گے تو ان کا امیر کہے گا کہ آئیں ہمیں نماز پڑھائیں تو آپ (عیسٰیؑ) کہیں گے نہیں اللہ نے اس امت کی عزت وتکریم کے سبب آپ کو ایک دوسرے پر امیر بنایا ہے''۔

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس میں ایک علت یہ بھی ہے کہ کیا کوئی نبی کسی امتی کو اپنے سے افضل سمجھتا ہے؟ تو اس کا جواب ہے نہیں نیز عیسٰی علیہ السلام امتی کو اپنے سے افضل نہیں کہہ رہے بلکہ اس امت کے اس مرتبہ کو بیان کر رہے ہیں جو اللہ نے قرآن مجید میں واضح فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی امامت کروائے تو وہ اس سے افضل نہیں ہوتا جیسا کہ نبی ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز ادا فرمائی (صحیح مسلم) اور نبی ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مرض الموت میں اپنے مصلی کا امام مقرر کیا اور جب آپ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے تو آپ نے انہیں اشارہ سے منع فرمایا لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی جلالت شان کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ (صحیح بخاری) اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام جو امام مہدی سے فرمائیں گے کہ: اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عزت وتکریم کی وجہ سے آپ کو دوسرے پر امام بنایا ہے۔ اس سے آپ امام مہدی کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ اگرچہ بعد میں آپ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امامت فرمائیں گے لہٰذا امام مہدی کی حوصلہ افزائی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کا مقام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے اونچا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ہی سرے سے غلط ہے۔ سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ کے رسول اور نبی تھے لیکن ان کی موجودگی میں اللہ پاک نے سیدنا طالوت کو حکمران اور امام بنایا تھا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا طالوت، داؤد علیہ السلام سے افضل ہو گئے؟ (فما کان جوابکم فھو جوابنا)

سند پر اعتراض

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی ولید بن مسلم ہے جس کا ذکر حال پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے کہ ولید بن مسلم روایت لینے میں بہت غلطیاں کرتا تھا اور مدلس اور ''ارسال'' کرنے والا تھا۔ (تھذیب التھذیب جلد 9 ص 182) اس سند میں دوسرا راوی ابن ابی ذئب ہے اور درج بالا روایت میں وہ ابن شھاب زہری سے روایت کرتا ہے۔

''قال یعقوب بن شیبہ : ابن ابی ذئب ثقہ صدوق غیر ان روایۃ عن الزھری خاصۃ تکلم فیھا بعضھم بالاضطراب ''

''یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ ابن ابی ذئب سچا ہے علاوہ اس کے کہ زہری سے جو اس کی روایت ہے تو بعض نے کلام کیا ہے کہ کیونکہ زہری سے اس کی روایت مضطرب ہوتی ہے''۔ (تھذیب التھذیب جلد 9 ص 281)

''کان یحیی بن سعید لایرضی حدیث ابن ابی ذئب وابن جریج عن الزھری لایقبلہٗ''

''یحی بن سعید، ابن ابی ذئب اور ابن جریج کی زہری سے روایت پر راضی نہ تھے اور اسے قبول نہ کرتے تھے''۔

(تھذیب التھذیب جلد 9 ص 282)

جواب:۔

منکرین حدیث نے دھوکہ دہی اور جھوٹ بولنے کی حد کر دی کیونکہ یہاں جو سند بیان کر رہے ہیں درج بالا حدیث کی سند نہیں بلکہ اس سے پچھلی حدیث کی سند ہے جسے منکرین حدیث نے دیدہ دانستہ بیان کردہ حدیث سے ملانے کی کوشش کی ہے۔

بیان کردہ حدیث کی سند اس طرح ہے: ''حدثنا ابو ولید شجاع وھارون بن عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وحجاج بن الشاعر قالو:حدثنا محمد (وھو ابن محمد)عن ابن جریج قال.......صحیح مسلم مع شرح النووی جلد 2ص190۔اور یہ تمام کے تمام رواۃ ثقات اور صحیح ہیں اور جن راویوں پر منکرین حدیث نے جرح کی ہے اگر چہ وہ اس حدیث میں نہیں ہیں لیکن وہ بھی ثقات ہیں اور منکرین کی جرح مردود ہے۔

قارئین کرام!

منکرین حدیث اتنا بڑا دھوکہ دے رہے ہیں کہ حدیث کچھ بیان کی اور سند کچھ اور مزید راویوں کی جرح وتعدیل سے متعلق اقوال نقل کرنے میں کیا کیا خیانتیں کر رکھی ہونگی۔

دونوں حدیثوں میں تطبیق

یہ بات واضح ہے کہ دو صحیح حدیثوں میں آپس میں تعارض محال ہے اگر کسی کو دو صحیح حدیثوں میں تعارض نظر آتا ہے تو یہ اس کی کم علمی اور کم فہمی ہے۔

منکرین حدیث نے کم علمی اور خیانت کا ثبوت دیتے ہوئے دو صحیح حدیثوں میں تعارض پیش کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔منکرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک حدیث عیسٰی علیہ السلام کی امامت کروانا ثابت کرتی ہے۔اور دوسری اس بات کی نفی کرتی ہے۔اور یہ منکرین حدیث کی کم فہمی ہے کیونکہ جس حدیث سے منکرین حدیث نے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی امامت کروانا ثابت کیا ہے اس میں ''**فأمّھم**'' کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ (عیسٰی علیہ السلام)ان کی امامت کروائیں گے۔

حالانکہ یہاں ترجمہ:ایسا نہیں ہوگا کیونکہ لغت میں ''أمّ ''کے معنی امامت کروانے کے علاوہ بھی کئی دوسرے معانی ہوتے ہیں ''أمّ ''کے معنی ''ارادہ''یا ''قصد''کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔(دیکھئے المنجد ص61) علامہ صفی الرحمان مبارکپوری فرماتے ہیں ''أمّھم ''**أی قصد ھم یعنی العدو**''(منعۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم جلد 4ص352) کہ یہاں ''أمّھم ''کے معنی ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام نے ان کا قصد کیا نہ کہ امامت کروائی اور ''أمّ ''کے معنی قیادت کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔(دیکھئے المنجد ص 16)یعنی سیدنا عیسٰی علیہ السلام ان کی قیادت کریں گے۔اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی (ﷺ) نے فرمایا:

''**کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وأمکم** ''(صحیح مسلم مع شرح النووی جلد 2ص190)

''اور وہ وقت کیسا ہوگا کہ جب تمہارے درمیان عیسٰی علیہ السلام نازل ہونگے اور تمہارے (امام) قائد ہونگے''۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ابن ابی ذئب کہتے ہیں:

''أمکم بکتاب ربکم وسنة نبیکم ''(ومعه شرح النووی جلد 22ص190)

''کہ عیسیٰ علیہ السلام تمہاری امامت (قیادت) اللہ کے قرآن اور نبی (ﷺ) کی سنت کے ذریعے کریں گے''۔

لہٰذا یہاں ''أمّھم '' کے معنی صرف امامت کروانے میں استعمال کرنا درست نہیں ہے بلکہ شروع میں امام مہدی ہی کو وہ امامت کا کہیں گے اور بعد میں چونکہ وہی امام اور قائد ہوں گے لہٰذا امامت بھی وہی کروائیں گے اور قائد بھی وہی ہونگے فافھم۔ پس دونوں صحیح احادیث تعارض سے پاک ہیں۔

آگے منکرین حدیث نے حدیث میں تضاد نہ ہونے کے باوجود دیدہ دانستہ مزید احادیث کو متنازع بنانے کی کوشش کی ہے۔

منکرین حدیث رقمطراز ہیں: ایک طرف حدیث میں یہ بات ہے ''لیس من بلد الاسیطؤہ الدجال الامکة والمدینہ''(مسلم جلد 2ص405) یعنی دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ اس پاک سرزمین پر قدم رکھ سکتا ہے۔ اور مدینہ میں داخل نہ ہونے والی سند ملاحظہ کیجئے:

''حدثنا علی بن ضحن نا الولید بن مسلم حدثنی عمرو یعنی الأوزاعی عن اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلح''(مسلم جلد3ص405)

''کان الولید یحدث الأوزاعی عن الکذابین ثم یدلسوا عنھم''(تھذیب التھذیب جلد 11ص135)

''ولید جھوٹوں سے اوزاعی کی روایت لیتا پھر ان سے اس میں تدلیس کرتا درج بالا روایت کا بھی یہی حال ہے''۔

جواب:۔

سند کی تحقیق

منکرین حدیث صحیح مسلم کے راوی الولید بن مسلم پر جرح کر کے صحیح مسلم کی روایت کو رد کر رہے ہیں حالانکہ جمہور محدثین نے الولید بن مسلم کی توثیق کی ہے اور انہیں صحیح کہا ہے جن میں سے (1) محمد بن سعد (2) علی بن مدینی (3) ابو مسہر یعقوب بن سفیان الفارسی (4) ابو حاتم (5) صدقہ بن فضل مروزی عجلی (6) یعقوب بن شیبہ وغیرھم محدثین ہیں۔(تھذیب الکمال جلد 31ص98تھذیب التھذیب جلد 9ص169) البتہ ولید بن مسلم ثقه، لکنه کثیر التدلیس والتسویة بھی ہیں۔ اور جب یہ سند کے آخر تک سماع کی تصریح کریں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی روایت قابل قبول اور حجت ہوتی ہے۔اور یہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کے بھی راوی ہیں اور صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ان کی معنعن روایات قابل قبول ہیں اور یہ روایت صحیح مسلم کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی ہے اور اس روایت میں ولید نے امام اوزاعی سے سماع کی تصریح بھی کر رکھی ہے۔جہاں تک بات ہے اس قول کی جو منکرین حدیث نے تہذیب التہذیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ ابومسہر کا قول ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ منکرین حدیث جرح وتعدیل کی کتب کے حوالے تو دے رہے ہیں لیکن اصول حدیث سے ناواقف ہیں حالانکہ کسی روایت کو اصول محدثین سے رد کرنے کے لئے اصولوں کی معرفت ضروری ہے یہاں پر تدلیس کا ذکر ہے کہ الولید بن مسلم، اوزاعی سے روایت میں تدلیس کرتے ہیں یعنی ان سے روایت کرنے میں مدلس تھے اور یہ اصول متفق علیہ ہے کہ اگر مدلس تحدیث یا سماعت کی صراحت کر دے تو روایت قابل قبول ہے اور یہاں ولید تحدیث کی صراحت کر رہے ہیں اور روایت اس طرح بیان کر رہے ہیں۔

''حدثنا الولید بن مسلم : حدثنی ابن عمر ویعنی الاوزعی''اگر ولید حدثنی کی جگہ''عن'' سے روایت کرتے تو یہ (عن) حدیث کی صحت پر مضر ہوتی لیکن اس طرح نہیں ہے لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ہر قسم کی جرح سے پاک ہے اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ہر حدیث صحیح ہے۔صحیح بخاری میں اس روایت کی سند اس طرح ہے:

''حدثنا ابراھیم بن المنذر:حدثنا الولید :حدثنا ابو عمرو:حدثنی اسحق حدثنی انس بن مالک.....(بخاری ح1881)

اس روایت میں الولید نے شروع سے آخر تک سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔لہٰذا یہ روایت صحیح ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔پھر امام الولید بن مسلم کی متابعت یونس بن محمد عن حماد بن سلمۃ نے بھی کر رکھی ہے دیکھئے۔(مسلم ح 2943)

آگے منکرین حدیث فرماتے ہیں دوسری طرف یہ حدیث بھی ہے:

''ثم رأیت رجلا یطوف بالبیت فقلت من ھذا فقالوا ھذالمسیح الدجال''

''پھر میں نے (خواب میں) اس (عیسیٰؑ کے پیچھے دائیں آنکھ سے کانا گھونگھریالے بالوں والا ایک شخص دیکھا گویا وہ مجھے ابن قطن جیسا دکھائی دیا جو ایک شخص کے دونوں مونڈھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے (بیت اللہ) کا طواف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر رہا ہے پس میں نے کہا یہ کون ہے؟ پس کہنے لگے یہ مسیح الدجال ہے''۔(بخاری جلد1ص489)

اس روایت میں مکہ میں داخل ہونا تو کیا بیت اللہ کا طواف بھی کر رہا ہے عیسٰی علیہ السلام کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے جبکہ روایت میں ہے کہ عیسٰیؑ اس کو ڈھونڈ لیں گے۔صحیح بخاری کی روایت کی سند یوں ہے:

.....**حدثنا ابراهيم بن المنذر أنا ابو ضمره ثنا موسى عن نافع**'' (بخاری جلد1ص489)

''اس میں ایک راوی ''ابراہیم بن منذر'' ہے''**انه خلط فی القرآن فلم یرد علیه احمد السلام وقال الساجی بلغنی ان احمد کان یتکلم فیه ویذمه**''(تهذیب التهذیب جلد 1ص145)

''اس نے قرآن میں گڑبڑ کیا پس امام احمد بن حنبل نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا اور مجھے یہ بات پہنچی ہے امام احمد اس میں کلام کرتے تھے (یعنی جھوٹا سمجھتے تھے) اور اس کی مذمت کیا کرتا تھا''۔

قارئین کرام: ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اگر کسی حدیث کے راوی کو رد کیا جائے اور اس پر جرح کی جائے تو جرح مفسر ہونی چاہیئے لیکن یہ بات شاید منکرین حدیث کے علم میں نہیں ہے۔ابراہیم بن منذر پر جو جرح نقل کی گئی ہے وہ غیر مفسر ہے اس کے برعکس جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

1)امام نسائی فرماتے ہیں:**لیس به بأس** ۔

2)صالح بن محمد کہتے ہیں:صدوق سچا ہے۔

3)ابو حاتم نے کہا: صدوق ہے،اس کے علاوہ خطیب بغدادی، یحیی بن معین،دارقطنی،ابن حبان،ابن وضاح، ابن حجر وغیرہم نے انہیں ثقہ کہا ہے(تهذیب التهذیب جلد 1ص184) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابراہیم بن المنذر الحزامی صدوق ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے مسئلہ کی وجہ سے ان پر کلام کیا ہے۔ (تقریب) اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حافظ ہیں اور ائمہ (الحدیث) کے شیوخ سے میں سے ہیں۔ امام یحی بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے احادیث لکھی ہیں اور وہ ان کے ہم عصر ہیں امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہیں لیکن قرآن کے مسئلہ میں وہ مختلط ہو گئے تھے اور وہ امام احمد بن حنبل کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔(المیزان 67/1) پس ثابت ہوا کہ امام ابراہیم بن المنذر الحزامی ثقہ وصدوق ہیں۔اور قرآن میں مختلط ہونا ان کی ثقاہت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

اور جہاں تک بات ہے احمد بن حنبل کا ان کے سلام کا جواب نہ دینا یا ان کا قرآن کے مسئلہ میں خلط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا تو اس بات کا جواب دیتے ہوئے امام سبکی فرماتے ہیں:

۔۔۔۔قلت: کان حصل عند الامام احمد رضی الله عنه منه شئی لانه قیل خلط فی مسئله القرآن کانه مجمع فی الجواب .قلت :وأری ذالک منه تقیة وخوفا ولکن الامام احمد شدید فی صلابته جزاه الله عن الاسلام خیرا ولو کلف الناس ماکان علیه احمد لم یسلم الاالقلیل'' (طبقات الشافعیه للسبکی جلد 2ص82)

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر کچھ جرح پائی جاتی تھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کے مسئلہ میں مخلط ہو گیا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ میرے خیال سے ایسا اس نے تقیہ کے طور پر اور اپنی جان بچانے کے لئے کیا تھا امام احمد اپنے عقیدہ میں قوی اور دین کے معاملہ میں سخت تھے اسلام کے دفاع کے لئے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔اگر احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی جگہ کچھ دوسرے لوگ ہوتے تو بہت تھوڑے مسلمان ثابت قدم رہتے''۔

پس ثابت ہوا کہ منکرین حدیث کی جرح مردود ہے اور امام ابراہیم بن المنذر الحزامی ثقہ وصدوق ہیں۔رہا مسئلہ قرآن کا تو اس مسئلہ میں بڑے ثقات اہل علم بھی مخلط ہو گئے تھے۔(صرف اپنی جان بچانے کے لئے)لہٰذا ان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے۔نیز مکہ ومدینہ میں دجال کے داخل نہ ہونے کی روایت بہت ہیں اور ان روایات کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔(دیکھئے مسند احمد 368,367/3) علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں:**رواه احمد ورجاله رجال الصحیح**(مجمع الزوائد : 344/7) نیز ملاحظہ فرمائیں مسند احمد(364/5) (75/6)**وقال الهیثمی:رجاله رجال الصحیح**(المجمع 337,343/7) پس معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو رد نہیں کیا کیونکہ وہ خود بھی اس معنی کی روایات نقل کر رہے ہیں وہ صرف قرآن مجید کے مسئلہ میں نرمی کرنے کی وجہ سے ان سے ناراض ہوئے تھے۔

تطبیق

منکرین حدیث نے ان دونوں روایتوں میں تعارض پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ (دجال مکہ ومدینہ میں داخل نہیں ہوگا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ نبی (ﷺ) نے اسے کعبہ کا طواف کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھا یعنی اس روایت میں مکہ میں داخل ہونے کا ذکر ہے) ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی (ﷺ) کو خواب میں دکھایا ہے کہ دجال طواف کر رہا ہے اور عیسٰی علیہ السلام اس کے آگے ہیں تو خواب کچھ اور ہوتا ہے اور اس کی تعبیر کچھ اور ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا میں نے اس سے پیا یہاں تک کہ دودھ کی تازگی میرے اعضاء کے کناروں سے نکلتی ہوئی معلوم ہوئی پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمرؓ کو دے دیا جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی تو آپ نے ارشاد فرمایا؟ علم (یعنی اس کی تعبیر علم ہے۔) بخاری جلد 3 کتاب التعبیر حدیث 1898۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ دو جوان یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں (سورہ یوسف آیت 12) یہ ان دو جوانوں کے خواب ہیں جو یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں تھے لیکن یوسف علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر اس خواب سے مختلف بتائی۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، چاند اور سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں اور پھر اس خواب کی تعبیر بھی مختلف واقع ہوئی۔

لہٰذا نبی کریم (ﷺ) نے دجال کو مکۃ المکرّمہ میں طواف کرتے دیکھا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ واقعی میں دجال مکہ میں داخل ہوا یا ہو سکے گا۔ کیونکہ کبھی کبھی خواب کی تعبیر خواب سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ پیچھے ثابت کیا گیا ہے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ اس کے طواف کرنے کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔

لہٰذا نبی کریم (ﷺ) کے اس خواب کا یہی مطلب ہے کہ دجال کا خروج ہوگا اور عیسٰی علیہ السلام اس سے قتال کریں گے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیں گے۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دجال مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں بلکہ زبردستی تعارض پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کیا ابن صیّاد دجال ہے؟

منکرین حدیث نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دجال کا مدینہ میں دخول حدیث سے ثابت ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تا کہ وہ احادیث میں تضاد ثابت کر سکیں۔اس لئے انہوں نے ابن صیّا کو دجال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

منکرین حدیث شرح مسلم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"قد روی مسلم فی هذه الأحادیث أن جابر بن عبدالله حلف بالله أن ابن صیاد هو الدجال وأنه سمع عمرؓ عنه یحلف علی ذالک عندالنبی (ﷺ) فلم ینکر النبی (ﷺ) "

وروی ابوداؤد باسناد صحیح عن ابن عمر انه کان یقول والله ماأشک أن ابن صیاد هو المسیح الدجال .

"مسلم نے ان احادیث میں بیان کیا ہے کہ جابر بن عبداللہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیّاد ہی دجال ہے اور عمرؓ سے سنا کہ اسی بات پر نبی (ﷺ) کے ہاں قسم کھاتے تھے اور نبی (ﷺ) نے انکار نہیں کیا اور ابو داؤد نے صحیح سند سے ذکر کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم میں اس بات میں شک نہیں کرتا کہ ابن صیّاد ہی مسیح الدجال ہے"۔(صحیح مسلم جلد 2 ص397)

غرض کہ قاری درج بالا روایت کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ دجال کے متعلق روایات اس قابل نہیں کہ ان روایات کو صحیح مانا جائے جب مخصوص دجال نہ رہا تو عیسیٰؑ کا اس کو قتل کرنے کے لئے آنا چہ معنی؟ منکرین حدیث نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ احادیث رسول (ﷺ) کو متضاد ٹھہرائیں لیکن الحمدللہ وہ اس کوشش میں ناکام ہیں۔صحابہ کرام کا قسم کھا کر یہ کہنا کہ ابن صیّاد ہی دجال ہے تو اس سے مراد وہ دجال نہیں جس کا خروج قرب قیامت ہوگا بلکہ اس سے مراد وہ دجال ہیں جن کے بارے میں نبی (ﷺ) نے پیشن گوئی کی تھی کہ 30 دجال میری امت میں ہونگے۔

امام نووی فرماتے ہیں "ولاشک انه دجال من الدجالة" (نووی جلد18ص52) "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (30) دجالوں میں سے ایک دجال ہے"۔اور اگر لفظ "دجال" کے معنی پر غور کیا جائے تو یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ۔عربی زبان میں دجال کے معنی "جھوٹ بولنے والا" ہے:(لسان العرب جلد 4 ص295) تو ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام کے مطابق دجال سے متعلق یہی ہو (یعنی جھوٹا شخص) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرام کا دجال سے مراد وہی دجال ہے جس کا قرب قیامت میں خروج ہوگا تو یہ ان کا اپنا فہم ہے کیونکہ جو صفات دجال کے متعلق وارد ہوئی ہیں تو بعض صحابہ کرام نے جب ان میں سے بعض صفات کو "ابن صیاد" میں دیکھا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہی دجال ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ صفی الرحمان مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:

"واستدل بهذاالحديث على ان ابن صياد هوالدجال ،واجيب بان النبى (ﷺ) انما لم ينكر على عمر لانه (ﷺ) كان مترددافى ابن صياد ،وكان يغلب على ظنه انه هوالدجال ،فلم يكن لينكر على امر يظنه حقا فلما جاء تميم الدارى وذكر قصة لقائه الدجال فى جزيرة وصدقه النبى (ﷺ) كان ذالك لمنزلة النفى لماسبق من الترد اوغلبة الظن وعزم الانكار على حلف عمر فلايكون هذاالحديث دليلا على ان ابن صياد هوالدجال "

"اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ابن صیاد دجال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی (ﷺ) نے عمرؓ کی بات کا اس لئے انکار نہیں کیا کیونکہ آپ (ﷺ) ابن صیاد کے دجال ہونے میں متردد تھے پس آپ (ﷺ) نے جس چیز کو حق خیال کیا اس کا انکار نہیں کیا پھر جب تمیم الداریؓ تشریف لائے اور اپنا دجال سے جزیرہ پر ملاقات کا واقعہ ذکر کیا تو آپ (ﷺ) نے اس کی تصدیق کی اور یہ تصدیق اس تردد یا ظن (جو ابن صیاد کا دجال ہونے کے بارے میں تھا) اور عمرؓ کی قسم پر (یعنی ابن صیاد دجال ہے) انکار نہ کرنے کی نفی ہے پس یہ حدیث کسی بھی طرح ابن صیاد کے دجال ہونے کی دلیل نہیں"۔(منه المنعم شرح صحيح مسلم جلد 4ص370)

یعنی اللہ کے نبی (ﷺ) نے تمیم الداریؓ کی تصدیق کر کے صحابہ کرام کے اس تشبیہ کا انکار کر دیا کہ ابن صیاد المسیح الدجال ہے۔لہٰذا جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابن صیاد مسیح الدجال نہیں اور اب تو احادیث میں کوئی تضاد باقی نہیں رہا۔اور ابن صیاد مسیح الدجال نہ رہا تو قیامت کے قریب مسیح دجال کا آنا ثابت ہوا اور اسی طرح عیسیٰؑ کا دجال کو قتل کرنے کے لئے آنا بھی ثابت ہوا۔اور جب یہ ثابت ہو گیا تو منکرین حدیث کی بات کی صحت کی گنجائش کہاں رہی۔

قبول ایمان کی نفی اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اہل کتاب کا ایمان لانا:

منکرین حدیث نے آگے مزید صحیح احادیث میں تضاد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔منکرین حدیث رقمطراز ہیں:

"ثلاث اذا خرجن لاينفع نفسا ايمانها لم تكن آمنت من قبل اؤ كسبت فى ايمانها خيرا ،طلوع الشمس من مغربها والدجال ودابة الارض "

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تین نشانیاں جب ظاہر ہوجائیں تو جو پہلے سے مؤمن نہیں تھا اب اس کا ایمان لانا کوئی فائدہ مند نہیں، (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) دجال کا آنا (3) زمین سے جانور کا نکلنا''۔(مسلم جلداول ص 88)

روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دجال کا خروج عیسیٰؑ کے نزول سے پہلے ہے جیسا کہ مسلم کی روایت ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا اور اس حال میں مسیح ابن مریم نازل ہوں گے(مسلم جلد2ص401)

اسی طرح آگے فرماتے ہیں:

اکثریت کا عقیدہ یہ ہے کہ جب عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے جیسا کہ روایت میں یہ بات یوں آئی ہے۔

''والذی نفسی بیدہ یوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لایقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا ومافیھا ثم یقول ابو ھریرۃ واقرء ان شئتم ''وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا ''

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں ابن مریم نازل ہونگے عادل حاکم بن کر پس صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جنگ کو موقوف کردیں گے اور مال کی فراوانی ہوگی کوئی بھی اس کو قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے ان سے بہتر ہوگا پھر ابو ہریرہؓ کہتے تھے اگر تم چاہو تو یہ (آیت) پڑھو۔**(وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا)''۔**

درج بالا آیت کا عام طور پر یہ ترجمہ کیا جاتا ہے:

''اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے عیسیٰؑ پر ایمان لائے گا اور روز قیامت عیسیٰؑ ان پر گواہ ہونگے''۔ (بخاری جلد1ص490)

متن اور سند پر تبصرہ:

منکرین حدیث کہتے ہیں اب ذرا غور کیجئے مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال کے آنے پر ایمان لانے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دروازہ بند ہوجائے گا۔ اور یہاں یہ ہے کہ عیسیٰؑ پر اہل کتاب ایمان لائیں گے تو یہ دونوں روایات ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور دونوں کی اسناد بھی صحیح نہیں۔

منکرین حدیث ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تاکہ صحیح احادیث کے مابین تعارض ثبت کرسکیں کہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ تین نشانیاں جب ظاہر ہوجائیں جن میں سے ایک خروج دجال ہے تو اس وقت کسی نفس کو اسکا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ ابو ہریرہؓ نے یہ آیت تلاوت کی جس میں ہے کہ تمام اہل کتاب عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لائیں گے۔ یعنی ایک روایت میں ہے کہ ایمان لائیں گے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔ حالانکہ ان دونوں روایتوں میں کوئی متضاد بات نہیں۔ کیونکہ ایک روایت میں اہل کتاب کا ایمان لانے کا اثبات ہے اور دوسری روایت میں ایمان لانے کے بعد اس سے نفع پہنچنے کا انکار ہے نہ کہ ایمان لانے کا انکار ہے۔

دوم: یہ ہے کہ اگر حدیث رسول (ﷺ) کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث میں تین علامات کا ذکر ہے کہ جب یہ ظاہر ہوجائے تو ایمان لانے کا فائدہ نہیں ہوگا (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) دجال کا خروج (3) زمین سے جانور کا نکلنا۔

تو حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ تینوں کی تینوں نشانیاں ظاہر ہوجائیں تو یہ قبول نہیں ہوگی اور ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوگا۔ اگر ان میں سے ایک نشانی ظاہر ہوجائے اور دو ظاہر ہونا باقی یا دو ظاہر ہوجائیں اور ایک ظاہر ہونا باقی ہے تو ایمان لانا فائدہ دے سکتا ہے۔

اور جب نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے واقعات ہوجائیں تو سورج کا مغرب سے طلوع ہونا باقی ہوگا اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوگا نہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے زمانے میں۔ جیسا کہ دوسری حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے۔

"لاتقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت من مغربها آمن الناس كلهم اجمعون فيومئذ لاينفع نفسا ايمانها خيرا"

"قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہوجائے گا تو سب لوگ ایمان لائیں گے (لیکن) اس دن کسی نفس کو اسکا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس (وقت) سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا اس نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے ایمان میں کوئی عمل نہ کیا ہوگا''۔(صحیح مسلم شرح النووی جزء 2باب 72حدیث 248)

لہٰذا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جس وقت کسی جان کو اس کا ایمان لانا فائدہ مند نہ ہوگا وہ وقت یہی ہوگا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔اور اس بات کو منکرین حدیث نے خود تسلیم کیا ہے چنانچہ ایک منکر حدیث اپنی کتاب ''عقیدہ خاتم النبین'' میں لکھتا ہے (حدیث میں ہے) قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے گا۔جب اسے دیکھیں گے اس پر ایمان لائیں گے پس یہ وہ وقت ہے کہ جو پہلے مؤمن نہ تھا اب اسکا ایمان لانا فائدہ مند نہیں یہ ہے قیامت کے دن کی ابتداء۔(عقیدہ خاتم النبین ص 17)

منکرین حدیث یہاں خود قبول کر رہے ہیں کہ جس وقت ایمان لانا کوئی فائدہ مند نہیں وہ یہ ہوگا کہ جب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا نہ کہ وہ خروج دجال دابۃ الارض کا وقت ہوگا۔لہٰذا منکرین حدیث نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔میں اس بات کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہوں گا۔مثلاً:ایک کمپنی اعلان کرتی ہے کہ اس کے وہاں وہی شخص کام کرے گا جس میں تین چیزیں پائی جائیں۔(1) بارہویں کلاس پاس ہو۔(2) عمر 22 سال سے کم نہ ہو(3) انگلش زبان بولنا جانتا ہو۔اگر کوئی شخص بارہویں کلاس پاس ہو اور عمر ابھی بیس سال ہو (یعنی 22 سال کا نہیں ہوا ہو) اور اس کمپنی میں کام کے لئے جائے تو کیا اسے کام مل جائے گا ہرگز نہیں اسی طرح اگر اس نے بارہویں پاس کر لی اور عمر بھی 22 سال ہو تو بھی کام نہیں ملے گا کیونکہ وہ انگلش نہیں جانتا جب تک کسی شخص میں یہ تین چیزیں نہیں پائی جائیں گی تو وہ اس کمپنی میں ملازمت کیسے کر سکتا ہے۔

اسی طرح ایمان لانا غیر مفید جب تک نہیں ہوگا جب یہ تینوں چیزیں (1) خروج دجال (2) دابۃ الارض (3) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا واقع نہ ہو جائیں ان میں سے کسی ایک چیز کی کمی ہو تو ایمان لانا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

سند پر جرح اور اس کا رد

صحیح حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے منکرین حدیث رقمطراز ہیں ''مسلم کی روایت کی سندیوں ہے۔

''حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء و اللفظ له قال انا ابن فضيل عن ابيه عن ابى حازم عن ابى هريرة''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری سند پر تبصرہ

منکرین حدیث لکھتے ہیں۔اب بخاری کی سند لیجیئے ''**حدثنا اسحاق انا یعقوب بن ابراھیم ثنا ابی عن صالح عن ابن شھاب ان سعد بن مسیب سمع اباھریرۃ** (بخاری جلد1ص490) یہاں اسحاق کا ذکر بغیر ولدیت ہے بقول محدثین یہ اسحاق بن راھویہ ہے جو (خلط فی آخرہ) آخری عمر میں سٹھیا گیا تھا محدثین اس کی ایک سند پر جرح کر کے لکھتے ہیں''**ولا ریب ان اسحاق کان یحدث الناس من حفظہ فلعلہ اشتبہ علیہ**'' (میزان الاعتدال جلد1ص183)

''یقینی بات ہے کہ اسحاق لوگوں کو اپنی یاداشت سے حدیثیں سناتے تھے تو شاید روایت بھی اس طرح مشتبہ ہوئی ہو تو معلوم ہوا کہ اسحاق حدیث بیان کرنے میں اشتباہ میں پڑتا تھا۔

ابن سعد :سمعت ابی یقول ذکر عند یحیی ابن سعید عقیل و ابراھیم ابن سعد فجعل کانہ یضعفھما یقول عقیل و ابراھیم .''

''عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل سے سنا کہ یحیی ابن سعد کے ہاں عقیل وابراھیم کا ذکر کیا گیا تو گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے عقیل اور ابراھیم''۔

ابن عدی نے اس کی چند نادر روایات جو زہری سے لی ہیں بیان کی ہیں کہ وہ اسناد میں ادل بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتا (یعنی سندوں میں گڑبڑ کرتا تھا) اور رباب باجے کے ساتھ گانا جائز سمجھتا تھا (گویا قوال تھا) (میزان جلد1ص34)

ازالہ:

اگر چہ امام بخاری نے اسحاق کا نام بغیر ولدیت کے ذکر کیا ہے لیکن امام بخاری نے کسی ایسے اسحاق نامی شخص سے اپنی کتاب صحیح البخاری میں روایت نہیں لی کہ جو مجہول ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وقد اخرج ابو نعیم فی المستخرج ھذاالحدیث من مسند اسحاق ابن راھویہ وقال اخرجہ البخاری من اسحاق (فتح الباری جلد6ص600)

''ابونعیم نے ''المستخرج'' میں اس حدیث کی تخریج مسند اسحاق بن راھویہ کے حوالے سے کی ہے اور کہا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام بخاری نے اسے اسحاق بن راھویہ سے روایت کیا ہے''۔

لہٰذا یہ بات چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح ہے کہ یہاں اسحاق سے مراد امام اسحاق بن راھویہ ہے۔ رہی بات یہ کہ اسحاق بن راھویہ اپنی آخری عمر میں اختلاط وتغیر کا شکار ہوگئے تھے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ آجری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوداؤدؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حافظے میں ان کی موت سے پانچ مہینے پہلے تغیر واقع ہوا تھا(تھذیب التھذیب جلد 1ص 237) اور اسحاق بن راھویہ اس حدیث کو یعقوب بن ابراھیم سے بیان کررہے ہیں۔اور یعقوب بن ابراھیم کی وفات سنہ 208ھ میں واقع ہوئی۔(تھذیب التھذیب جلد 9ص99) جبکہ اسحاق بن راھویہ سن 238ھ میں فوت ہوئے۔(تھذیب التھذیب جلد 1ص 237) اب یہ بات بالکل واضح کہ اسحاق بن راھویہ کا سماع یعقوب بن ابراھیم سے تغیر واقع ہونے سے کافی عرصہ قبل ہوا ہے لہٰذا منکرین حدیث کی جرح مردود ہے اور جو بات میزان الاعتدال کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔اسحاق لوگوں کو اپنی یاداشت سے حدیثیں سناتا تھے تو شاید یہ روایت بھی مشتبہ ہوئی ہو۔منکرین حدیث نے یہاں بھی اپنی عادتوں کے مطابق اپنے موقف کے موافق بات کو نقل کردیا۔اس عبارت کو نقل کرنے سے پہلے امام ذھبی فرماتے ہیں:

''**فیجوز أن یکون اخطأ ممن بعد اسحاق**'' (میزان الاعتدال 1/207)

''پس ممکن ہے کہ اسحاق کے بعد والے رواۃ سے خطا سرزد ہوگئی ہو۔

دوم یہ کہ یہ کوئی ایسی جرح نہیں جس کی وجہ سے کسی راوی کی روایت کو نا قابل احتجاج ٹھہرادیا جائے۔ اس کے برعکس محدثین ان کے متعلق فرماتے ہیں:''**احد الائمة الاعلام ثقة حجة**'' کہ وہ ایک بڑے امام ثقہ اور حجت ہیں۔''پس منکرین حدیث کا یہاں پر بھی جرح کا رد ہوا''۔(میزان الاعتدال 1ص207)

ابراھیم بن سعد پر جرح اور اسکا ازالہ

ان پر بھی جرح کرتے ہوئے منکرین حدیث نے خیانت سے کام لیا ہے اور آدھی عبارت نقل کی ہے۔پوری عبارت اس طرح ہے:

''**عن عبداللہ ابن احمد سمعت ابی یقول ذکر عند یحیی ابن سعید عقیل وابراھیم بن سعد کانه یضعفهما یقول عقیل وابراھیم ثم قال ابی :ایش ینفع هذا هؤلاء ثقات لم یخبرهما یحیی**''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں میں نے اپنے باپ (احمد بن حنبل) سے سنا کہ یحیی بن سعید کے ہاں عقیل وابراھیم کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس طرح کہا کہ گویا وہ ان دونوں کو ضعیف کہہ رہے تھے فرمارہے تھے عقیل وابراھیم پھر میرے والد (احمد بن حنبل) نے کہا یہ کیا'' نفع دیگا یہ لوگ (ابراھیم وعقیل) ثقات ہیں اور یحیی نے ان کو خبر نہیں دی۔(تھذیب 1/145 میزان الاعتدال 1/34)

یہاں ترجمہ میں بھی خیانت کی گئی ہے کہ یحیی ابن سعد نے ناگواری سے کہا (یہ جملہ ناگواری سے کہا) کس عبارت کا ترجمہ ہے۔منکرین حدیث اس طرح کہہ رہے ہیں کہ یہ خود یحیی بن سعید کے سامنے تھے۔

قارئین کرام: جولوگ اتنی خیانت کریں ان کی بات کا کیا اعتبار؟

اور جو عبارت ہم نے نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یحیی بن سعد کی جرح غیر قادح ہے لیکن اس کے مقابلہ میں احمد بن حنبل نے ان کی توثیق بیان کی ہے۔اور یحیی بن معین بھی فرماتے ہیں کہ ابراھیم بن سعد ثقہ اور حجت ہیں امام ذھبی خود فرماتے ہیں'' ابراھیم بن سعد ثقۃ بلاثنیا'' (میزان الاعتدال 1/59-60)

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں:'' ثقة حجة تكلم فيه بلا قادح'' (تقریب التھذیب 1/87)

'' ابراھیم بن سعد ثقہ اور حجت ہیں اور ان پر غیر قادح کلام کیا گیا ہے (یعنی ایسا کلام نہیں کیا گیا کہ ان کی روایت کا رد کر دیا جائے)

اس سے مزید واضح ہوگیا کہ ابراھیم بن سعد زبردست قسم کے ثقہ راوی ہیں ان پر جو کلام ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔رہی بات اس عبارت کی کہ ابن عدی نے زہری سے ان کے چند غرائب بیان کئے ہیں وہ اسناد میں ادل بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتے تھے۔ابن عدی نے ان کے بعض غرائب نقل کرنے کے بعد ابراھیم بن سعد کے متعلق اپنا فیصلہ سنایا ہے۔

منکرین حدیث ایک دو جرح وتعدیل کی کتابیں پڑھ کر ان میں سے ایک دو عبارتیں نقل کر دیتے ہیں اور پھر راوی کو مجروح قرار دیتے ہیں۔اگر ابن عدی کی بات نقل کرنے سے پہلے ان کتابوں کو دیکھ لیتے تو ابراھیم بن سعد کی ثقاہت کی معرفت ہوجاتی۔ابن عدی، ابراھیم بن سعد کے متعلق اس طرح فیصلہ سناتے ہیں :

''وقول من تكلم فى ابراهيم بن سعد ممن ذكرنا ه بمقدار ما تكلم فيه

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحاملا علیه فیما قاله فیه .وابراهیم ابن سعد ثقات المسلمین حدث عنه جماعة الائمة ممن هم اکبر سنا وأقدم موتا منه "(الکامل فی الضعفاء لابن عدی 1/403)

''اوران کی بات جنہوں نے ابراھیم بن سعد پر کلام کیا ہے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے اس مقدار کے مطابق جوانہوں نے ان کے بارے میں کہا اس پر محمول کرتے ہوئے کہ جس نے ان کے متعلق کہا ہے۔اور ابراھیم بن سعد مسلمین کے کی ثقات میں سے ہیں اوران سے ان علماء نے حدیث بیان کی ہے جوان سے عمر میں بڑے تھے اوران سے پہلے ان کی موت واقع ہوئی۔

پھر اپنی سند سے ابن عدی نے ابراھیم بن سعد سے کچھ حدیثیں نقل کی ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ولابراهیم بن سعد احادیث صالحة مستقیمة عن الزهری وعن غیره ولم یتخلف احد عن الکتابة .عنه الکوفة ،والبصرة ،وبغداد وهو من ثقات المسلمین . (الکامل فی الضعفاء لابن عدی 1/404)

''ابراھیم بن سعد نے زھری اور دیگر ائمہ سے صحیح اور مستقیم احادیث لی ہیں اور کوفہ،بصرہ،اور بغداد میں کوئی ایسا نہیں کہ جنہوں نے ان سے (احادیث) نہ لکھی ہوں۔اور مسلمین کی ثقات میں سے ہیں''۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن عدی نے ان پر جرح نہیں کی بلکہ ان کی زبردست توثیق کی ہے۔اور ہی یہ بات کہ ابراھیم بن سعد گانا بجانے کو جائز قرار دیتے تھے تو یہ بات خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں نقل کی ہے۔خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

"اخبرنا علی بن المعدن نا ابوبکر محمد بن اسحاق بن ابراهیم بن یزید بن مهران الصفاء الضریر نا علی بن الحسن بن خلف بن قدیر ابو القاسم بمصر حدثنا عبدالله بن سعد بن کثیر بن عفیر عن ابیه قال :قدم ابراهیم بن سعد الزهری العراق سنة اربع وثمانین ومائة فاکرمه الرشید وهریره وسئل عن الغناء فافتی بتحلیله "(تاریخ بغداد جلد6ص82-82)

''فرماتے ہیں کہ ابراھیم بن سعد الزھری سن 184ھ میں عراق آیا تو رشید نے اس کا اکرام کیا اور اپنی اچھائی کا اظہار کیا اور اس (ابراھیم بن سعد) سے گانے بجانے کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے گانے بجانے کے حلال ہونے کا فتوی دیا''۔اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت بالکل واضح ہوجائے گی''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس سند میں خطیب بغدادی نے اس روایت کو نقل کیا ہے قابل احتجاج ہی نہیں۔اس سند میں ایک راوی ہے عبیداللہ بن سعید بن کثیر عفیر جس کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں ''لایجوز الاحتجاج'' (میزان الاعتدال 9/4) ''اس سے روایت احتجاج جائز نہیں''۔امام ذھبی فرماتے ہیں:

''عبیداللہ بن سعید بن کثیر المصری عن ابیہ تکلم فیہ''

''عبیداللہ بن سعد اپنے والد سے روایت کرتا ہے،اس پر کلام کیا گیا ہے۔

(دیوان الضعفاء والمتروکین جلد 2ص137)

اسی طرح ابن الجوزی نے اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے۔اور لکھا ہے۔

''قال ابن حبان لایشبہ حدیثہ بالثقات۔(جلد2ص163)

ابن حبان فرماتے ہیں اس کی حدیث ثقات سے نہیں ملتی۔

لہٰذا ابراھیم بن سعد پر گانا بجانے کی جرح بھی مردود ہے۔آگے منکرین حدیث لکھتے ہیں'' الزھری کان یدلس فی النادر'' (میزان الاعتدال جلد 4ص40) ''بعض اوقات تدلیس کیا کرتا تھا۔درج بالا روایت بھی عن سے روایت کرتا ہے اس لئے مدلس کی عنعنہ قابل احتجاج نہیں۔حدیث کا متن بھی قرآن کے خلاف ہے۔کیا عیسیٰؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاد و جزیہ جو قرآن کا حکم ہے منسوخ کردے جس کا ذکر سورہ توبہ آیت نمبر 29 میں ہے۔قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولابالیوم الآخر ولایحرمون ماحرم اللہ ورسول۔۔۔الخ

''اہل کتاب جو کہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔(سورہ توبہ آیت 29)(دجال کے کارنامے صفحہ 23)

امام ابن شھاب الزھری کے متعلق یہ عبارت نقل کی گئی ہے'' وکان یدلس فی النادر'' کہ وہ بعض اوقات تدلیس کیا کرتے تھے۔اس عبارت کو بغور پڑھنے کے بعد یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ امام ابن شھاب الزھری نے بعض اوقات یعنی بہت ہی کم تدلیس کی ہے۔اور تدلیس نادر کی معرفت کے لئے کوئی ایسی دلیل یا قرینہ ہونا چاہیئے جس سے ثابت ہو جائے کہ یہاں تدلیس ہوئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نزول عیسیٰؑ کے متعلق روایات متواتر ہیں ۔اور اس روایت کو امام ابن شھاب الزھری سعید بن المسیب سے بیان کررہے ہیں۔جن کے ساتھ امام ابن شھاب الزھری نے آٹھ سال بیٹھ کر حدیثیں سنی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء 207/5) لہٰذا یہاں تدلیس ہونا مستحیل ہے۔اور رہی بات منکرین حدیث کے اس اعتراض کی کہ کیا عیسیٰؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاد و جزیہ جو کہ قرآن کا حکم ہے منسوخ کردیں۔جس حدیث میں ذکر ہے کہ عیسیٰؑ جہاد و جزیہ کو روک دیں گے اگر اس حدیث کو غور و فکر کی نظر سے دیکھا جائے تو بات نکھر کر سامنے آجائے گی۔

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ وقت قریب ہے کہ تمہارے درمیان عیسیٰ بن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور حرب (جنگ کو روک دیں گے) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جزیہ کو بھی روک دیں گے''۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری جلد 6-حدیث 3448)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے یہ امور انجام نہیں دیں گے بلکہ اللہ کے نبی (ﷺ) اس حدیث میں اشارۃ یہ حکم دے رہے ہیں کہ جنگ و جزیہ کو بعد از نزول عیسیٰ علیہ السلام انہی کے ہاتھوں روک دیا جائے گا۔لہٰذا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی (ﷺ) کے امتی اور ان کے متبع ہوں گے نہ وہ اس شریعت میں زیادتی کریں گے بلکہ وہ لوگوں کے درمیان قرآن و سنت کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔

مزید برآں امام نووی فرماتے ہیں:

'ومعنى وضع عيسىؑ الجزية مع انها مشروعيتها مقيده بنزول عيسىؑ كما دل عليه هذا الخبر وليس عيسى بناسخ لحكم الجزية بل نبينا (ﷺ) هو المبين للنسخ لقوله هذا فان عيسى عليه السلام يحكم شرعنا فدل على ان الامتناع من قبول الجزية فى ذلك هو شرع نبينا محمد (ﷺ)

(ذكرها حافظ ابن حجر بلفظ ابن حجر فى فتح البارى جلد 6صفحه601 وانظر شرح صحيح مسلم للنووى جزء 2ص191)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جزیہ کو معاف کرنا اور اس کی تطبیق

''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جزیہ کو روکنا باوجود اس کے کہ جزیہ اس شریعت میں مشروع ہے۔اس کے معنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ اس کی مشروعیت نزول عیسی علیہ السلام تک مقید ہے جیسا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔اور عیسی علیہ السلام حکم جزیہ کو منسوخ نہیں کریں گے بلکہ ہمارے نبی اس کے نسخ کو بیان کر رہے ہیں اپنے اس فرمان سے یقیناً عیسی علیہ السلام ہماری شریعت (قرآن وسنت) کے مطابق فیصلہ کریں گے (یعنی کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ وہ ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے) پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ (بعد از نزول عیسیٰؑ) جزیہ کا منع ہونا ہمارے نبی (ﷺ) کے حکم سے ہے''۔

مزید وضاحت کے لئے ایک مثال ملاحظہ کریں۔

مثال کے طور پر کسی شخص کے گھر پر کوئی مہمان تشریف لاتا ہے وہ شخص مہمان نوازی کے بعد (جب مہمان جانے لگتا ہے) اس مہمان کو کہتا ہے کہ میرا ڈرائیور تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دے گا جب وہ مہمان اپنے گھر واپس لوٹنے لگتا ہے تو ڈرائیور اس مہمان کو اس کے گھر تک پہنچا دیتا ہے۔

اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ڈرائیور نے مہمان کو اپنی مرضی سے اس کے گھر تک نہیں پہنچایا بلکہ اس شخص نے ایک جملہ کہا تھا۔کہ میرا ڈرائیور مہمان کو اس کے گھر تک پہنچا دے گا۔تو جس طرح اس جملہ میں اشارہ ڈرائیور کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ مہمان کو گھر تک چھوڑ دے۔تو اسی طرح حدیث میں بھی عیسی علیہ السلام کو اشارۃ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ جزیہ اور جنگ کو ختم کر دیں۔پس یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عیسی علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہیں لائیں گے اور جزیہ وحرب کی مشروعیت عیسی علیہ السلام کے نزول تک مقید ہے۔اور یہ تقیید اللہ کے نبی (ﷺ) کی طرف سے ہے۔عیسی علیہ السلام صرف اس پر عمل پیرا ہوں گے لہٰذا یہ روایت نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ ہی کوئی صاحب بصیرت اس کو قرآن کے خلاف کہہ سکتا ہے۔

آگے منکرین حدیث مزید رقمطراز ہیں ''ایک طرف لوگ عیسیٰؑ کا نزول مانتے ہیں جو کہ قرآن کے خلاف ہے دوسری طرف کہتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام ایک امتی ہوگا یہ بھی قرآن کے خلاف ہے جبکہ روایات میں ہے کہ اللہ عیسیٰؑ پر وحی کرے گا'' **اذاوحی اللہ الی عیسیٰؑ انی قد اخرجت عبادا لی لایدان احد بقتالھم فحرز عبادی الی طور** ۔ترجمہ:اس وقت اللہ تعالی عیسیٰؑ کو وحی کرے گا کہ میں نے ایسے بندے پیدا کئے ہیں جن سے کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا پس میرے بندوں کو طور پر لے جا کر ان سے بچاؤ۔ (مسلم جلد2 صفحہ 401) تو یہاں نزول کے قائلین کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غیر تشریعی وحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ (دجال کے کارنامے ص23,24)

قارئین کرام ہم اس بات کی توضیح کر چکے ہیں کہ نزول عیسی علیہ السلام کے متعلق روایات قرآن کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ مگر منکرین حدیث نزول عیسی علیہ السلام کے متعلق روایات کو قرآن کے خلاف کہہ کر لوگوں کو احادیث رسول (ﷺ) سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

رہی بات کہ اللہ رب العالمین عیسی علیہ السلام پر وحی کرے گا اور ایک امتی پر وحی ہونا قابل اعتراض بات ہے۔ یہ وحی غیر تشریعی ہے لیکن یہ بات بھی منکرین حدیث کے نزدیک خطاء پر مبنی ہے۔

منکرین حدیث اگر نبی کے علاوہ کسی اور پر وحی اترنا قابل اعتراض ہے یا وحی کا غیر تشریعی ہونا خطا ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر غیر نبی پر وحی کے نزول کا ذکر کیا ہے کیا نعوذ باللہ یہ سب غلط یا قابل اعتراض ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **"واوحی ربک الی النحل "**...(سورہ نحل آیت)

"اور اللہ رب العالمین نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔۔۔۔۔۔۔

"اوحینا الی ام موسی ""اور ہم نے موسی کی ماں کو وحی کی۔۔۔۔(سورہ القصص آیت)

ان آیات میں وضاحت ہے کہ اللہ رب العالمین نے شہد کی مکھی اور موسی علیہ السلام کی والدہ پر وحی اتاری۔ منکرین حدیث بتائیں یہ وحی تشریعی ہے یا غیر تشریعی لازماً آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ غیر تشریعی وحی ہے ورنہ نعوذ باللہ کیا وحی اترنے سے مکھی اور ام موسی علیہ السلام بھی نبی ہوگئیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام پر وحی اترنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نبی ﷺ کے امتی نہیں رہے، یعنی وہ نبی ہونے کے باوجود بھی اس وقت امتی کا کردار ادا کریں گے۔ لہٰذا ان قرآنی آیات کی روشنی میں یہ بات بھی آپ کو سمجھ لینی چاہیئے کہ جس طرح مکھی اور ام موسی علیہ السلام پر وحی غیر تشریعی ہے ٹھیک اسی طرح عیسی علیہ السلام پر وحی ہونا غیر تشریعی ہے۔

دوم یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی اترنے کی خبر اللہ کے آخری نبی محمد (ﷺ) نے ہمیں دی ہے۔ جس سے یہ بات عیاں ہے کہ عیسی علیہ السلام پر کوئی نئی وحی نہیں اترے گی بلکہ جس وحی کی پیشن گوئی اللہ کے نبی محمد (ﷺ) نے 1500 سال پہلے کر دی تھی وہی وحی اترے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پس اس بات کے شارع اللہ کے نبی (ﷺ) ہوئے نہ کہ عیسی علیہ السلام لہٰذا منکرین حدیث کا حدیث پر اعتراض کالعدم ہے۔

ہم نے پیچھے یہ واضح کیا تھا کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے۔ اور آپ ﷺ کی شریعت کے پابند ہونگے۔ اور سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی نبوت اس موقع پر سلب نہیں ہو جائے گی۔ اور پھر عیسٰی علیہ السلام کی ساری ذات ہی سراپا معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو دیکھ کر دجال پگھلنا شروع ہو جائے گا۔ آپ کی سانس جس کافر تک پہنچے گی وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور ان کی سانس حد نگاہ تک جائے گی وغیرہ۔ لہٰذا سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر اگر اس موقع پر وحی نازل ہوتی تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ کیا سیدنا موسٰی علیہ السلام جو اولوالعزم نبیوں میں تھے اور کلیم اللہ بھی تھے کیا ان کی نبوت کے دوران سیدنا ہارون علیہ السلام پر وحی نہیں آتی تھی؟ سیدنا موسٰی علیہ السلام جو صاحب تشریع نبی اور رسول تھے لیکن اس کے باوجود سیدنا ہارون علیہ السلام پر بھی وحی نازل ہوا کرتی تھی اسی طرح خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی موجودگی میں سیدنا لوط علیہ السلام پر بھی وحی کا سلسلہ جاری وساری تھا۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر وحی کا ہونا ناممکنات میں سے ہو جائے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کا ایک درباری کرامت کی بناء پر ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں لے آتا ہے جسے سلیمان علیہ السلام **هذا من فضل ربی** سے تعبیر فرماتے ہیں تو اگر عیسٰی علیہ السلام سے ان معجزات کا صدور ہو جائے تو اس میں اچھنبے کی کیا بات ہے؟

آگے منکرین حدیث مزید اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ملاحظہ کیجئے ان روایات میں تو یہ بھی ہے **ثم یاتی عیسی قوم قد عصمهم الله منه فینسح عن وجوهم ویحرمهم بدرجاتهم فی الجنة**۔ پھر عیسی علیہ السلام ایسے لوگوں کی طرف آئیں گے جنہیں اللہ نے اس (دجال) سے بچایا ہوگا تو ان کے چہروں کو جھاڑیں گے اور ان کو ان کی جنت کے درجات بتلائیں گے۔ (مسلم جلد 2 صفحہ 401) تو اب سوال یہ ہے کہ امتی کسی کو یہ بتلا سکتا ہے کہ جنت میں تیرا اتنا مرتبہ ہوگا۔ (دجال کے کارنامے ص 24)

منکرین حدیث احادیث پر بے جا اعتراض کر رہے ہیں کوئی بھی صاحب عقل سلیم منکرین حدیث کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان اعتراضات کا بغور مطالعہ کر کے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ منکرین حدیث کے یہ اعتراضات اظہار حق نہیں بلکہ احادیث رسول اللہ (ﷺ) سے دشمنی ہے۔

اور مضحکہ خیز بات ہے کہ ھادی صاحب اس بات کو حیرت انگیز یا ناممکن سمجھ رہے ہیں کہ کوئی امتی کسی شخص کو اس کے جنت میں بلند درجات کے متعلق بتائے۔ حالانکہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ مثلاً: اگر کوئی عام امتی کسی دوسرے ایسے مومن وصالح شخص کو یہ خبر دے کہ اللہ رب العالمین نے تمہارے لئے تمہارے اعمال صالح کے بدلے جنت الفردوس رکھی ہے۔ (فردوس جنت کا سب سے اعلی درجہ ہے) ملاحظہ کیجئے: (صحیح البخاری کتاب التوحید باب ماکان عرشه علی الماء حدیث 7423) تو یہ بالکل درست اور بجا ہے اس لئے کہ مومنین وصالحین کے (جنت میں) اس درجہ کو اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

"ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لهم جنات الفردوس نزلا"

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کئے یقیناً ان کے لئے جنت الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے''۔ (سورة الکهف آیت 107)

اسی طرح عیسی علیہ السلام بھی صرف امتی ہی نہیں بلکہ نبی بھی ہوں گے اور ان لوگوں کو جنت میں ان کے درجات کے متعلق خوشخبری دیں گے جس کی وضاحت اللہ کے نبی (ﷺ) نے اس حدیث میں کر دی ہے۔ پس حدیث میں بھی اشارۃً عیسی علیہ السلام کے لئے یہ حکم صادر ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو جنت میں ان کے درجات کے متعلق بتائیں گے۔

اور عیسی علیہ السلام ان لوگوں کو اپنی طرف سے جنت میں ان کے مرتبے نہیں بتائیں گے بلکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ان پر وحی فرمائے گا اور آپ وہی کچھ بتائیں گے جن کا بیان احادیث میں پہلے سے ہو چکا ہے۔ لہٰذا منکرین حدیث کا حدیث کو قابل اعتراض کہنا ان کی قلت تدبر اور کم فہمی ہے۔

منکرین حدیث مزید رقمطراز ہیں ''**فلا یحل للکافر یجد ریح نفسه الا مات ونفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه**'' ''پس آپ کی سانس کی ہوا جس کافر کو لگے گی وہ مر جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر پہنچے گی وہاں تک آپ کی سانس کی ہوا پہنچے گی''۔ (مسلم جلد 2 صفحه 401) اللہ کے بندوں ذرا غور کرو کہ اتنا بڑا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معجزہ تو آپ کو اپنے دور نبوت میں بھی نہیں ملا ایک طرف تو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو یہود سے بچا کر آسمان پر اٹھالیا اس وقت تو کوئی کافر آپ کی سانس کی ہوا لگنے سے نہ مرا جب نبی سے امتی بن جائے تو درج بالا معجزہ دیا جائے گا۔ (دجال کے کارنامے ص 24)

معلوم نہیں منکرین حدیث کیا سمجھنا چاہ رہے ہیں اور لوگوں کو غور وفکر کرنے کی ترغیب دلا رہے ہیں جبکہ خود بغیر غور وفکر کیے بات کہہ رہے ہیں۔ اگر منکرین حدیث اس حدیث کو بنظر تنقیدی کے بجائے نظر فہمی سے دیکھیں اور اس پر صحیح طریقے سے تدبر کرتے تو ان اشکالات میں نہ پھنستے۔ بہر حال ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ منکرین حدیث ان اشکالات میں پھنسے ہیں یا لوگوں کو پھنسانا چاہ رہے ہیں۔ رہی بات اتنا بڑا معجزہ عیسیٰؑ کو ان کے دور نبوت نہیں ملا اس اعتراض پر ہم گزشتہ میں گفتگو کر چکے ہیں۔ مزید برآں منکرین حدیث فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے عیسی علیہ السلام کو یہود سے بچا کر آسمان پر اٹھالیا اس وقت تو کوئی کافر آپ کی سانس کی ہوا لگنے سے نہیں مرا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے ہر چیز کو اس کے وقت سے حساب سے رکھا ہے اگر اس وقت یہ کام ہو جاتا تو قرب قیامت نزول عیسیٰؑ کے کیا معنی رہ جاتے ہیں۔

منکرین حدیث کیا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ عیسی علیہ السلام کو وہی معجزات عطا کر دیئے جاتے کہ جن معجزات سے اللہ رب لعالمین نے انہیں ان کے دور نبوت میں نوازا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو عیسی علیہ السلام کا اترنا بحیثیت نبی نہ ہو جاتا؟ واضح رہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود بھی امتی بن کر آئیں گے۔ اور اگر ان سے ان مواقع پر اگر کوئی معجزہ سرزد ہو جائے تو اس میں اچھنبے کی کوئی بات نہیں ہے یہاں واضح رہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اس موقع پر اپنے آخری نبی ﷺ کے دین کی مدد کے لئے بھیجے گا۔ یہ کام اگر اللہ چاہتا تو امام مہدی کے ذریعے بھی کر سکتا تھا لیکن اس کام کے لئے ایک نبی کا انتخاب کرنا، اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسیح الدجال کو المسیح ابن مریم کے ذریعے ہلاک کرے گا۔ اور دین اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچادے گا تو یہ کام ایک نبی جس خوش اصلوبی سے کر سکتا ہے کوئی دوسرا اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام سے معجزات کا ظہور کوئی اچنبے کی بات نہیں اور نہ یہ بات ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی اس بات کی مزید توضیح ہو جاتی ہے کہ عیسی علیہ السلام امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔

دوم یہ کہ شاید منکرین حدیث معجزے کی تعریف سے ناواقف ہیں اسی وجہ سے عیسی علیہ السلام کے ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معجزات کا انکار کر رہے ہیں۔

قارئین کرام ہم آپ کے سامنے معجزہ کی صحیح تعریف بیان کرتے ہیں تا کہ بات مزید عیاں ہو جائے۔

امام جرجانیؒ فرماتے ہیں:

" المعجزة " امر خارق للعادة ،داع الى الخير والسعادة ،مقرون بدعوى النبوة ،قصد به اظهار صدق من الدعى انه رسول الله. (کتاب التعریفات للجرجانی ص 176)

''معجزہ اس خیر وسعادت کی طرف دعوت دینے والے خلاف عادت کام کو کہتے ہیں کہ جو نبوت کے دعوی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس قصد کے وہ اس بات میں سچا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہے''۔

اس تعریف کو پڑھنے کے بعد یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ عیسی علیہ السلام کی سانس سے کافر کا مرنا وغیرہ معجزہ ہی ہے کیونکہ اس معجزہ سے اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا اور عیسٰی علیہ السلام کے امتی ہونے کے ساتھ ساتھ نبی ہونا محقق ہو جائے گا۔

امام ابوالعباس قرطبیؒ (اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے) لکھتے ہیں:

" معناه ان الكفار لا يقربونه وانما يهلكون عند زؤ يته ووصول نفسه اليهم ثا ئبدا من الله له وعصمة واظهار كرامة ونعمة"

''اس حدیث کے معنی ہیں کہ کفار عیسی علیہ السلام کے قریب نہیں آئیں گے بلکہ انہیں محض دیکھنے سے ہی ہلاک ہو جائیں گے اور ان لوگوں کی جانب عیسی علیہ السلام کی سانس پہنچنا اللہ کی طرف سے تائید وعصمت اور نعمت وکرامت کا اظہار ہے''۔(المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم جلد 7 ص284)

واضح رہے کہ کرامت اور معجزہ اللہ کے حکم سے ہی صادر ہوتا ہے اور یہ دونوں برحق ہیں اور قرآن وحدیث سے ثابت ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے اور اس میں نبوت کا دعوی ہوتا ہے۔اور کرامت کسی صالح شخص سے ظاہر ہوتی ہے لیکن اس میں کسی قسم کا دعوی نہیں ہوتا ہے۔مزید برآن امام قرطبی فرماتے ہیں:

"كرامات الاولياء ثابته على ماد لت عليه الاخبار الثابتة والآيات المتواتره ولاتنكرها الا المبتدع الجاحد اولفاسق اريحائد فالآيات مااخرالله

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالی فی حق مریم من ظهور الفوکه الشتویه فی الصیف والصفية فی الشتاء علی ما تقدم .وما ظهر علی يد ها حيث امرت النحلة وكانت يابسة فأثمرت وهی لیست بنبیه " (تفسیر القرطبی 324-325/5)

کرامات اولیاء ثابت ہیں جیسا کہ صحیح احادیث اور متواتر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں اس کا انکار سوائے بدعتی منکر اور فاسق ہٹ دھرم کے کوئی نہیں کرے گا پس جو آیات (اس کے متعلق ہیں) جیسا کہ اللہ رب العالمین نے مریم علیہ السلام کے بارے میں گرمی کے موسم میں سردی کے پھل ظاہر ہونے کا (قرآن مجید میں) بتایا ہے ملاحظہ کیجئے سورہ آل عمران ۔آیت 38 جو پہلے گزر چکا ہے اور جیسا کہ مریم علیہ السلام کے ہاتھ سے کرامت کے طور پر یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے کھجوروں کو حکم دیا جو کہ خشک تھیں اور پھر تر و تازہ ہوگئیں ملاحظہ کیجئے سورہ مریم ۔آیت 25 اور وہ نبی نہیں تھیں ۔اسی طرح مریم علیہ السلام کے پاؤں تلے پانی کے چشمے کا جاری ہونا بھی کرامت ہے۔ (دیکھئے: سورہ مریم آیت 19-24)

لہٰذا جب قرآن کریم سے کسی غیر نبی شخص سے خلاف عادت کا ظاہر ہونا ثابت ہے تو عیسی علیہ السلام جو ایک نبی بھی ہوں گے اور ان سے خلاف عادت کا ظہور ہونا کونسی حیرت کن اور نا سمجھ میں آنے والی بات ہوگئی ۔منکرین حدیث اگر عیسی علیہ السلام سے بطور امتی خلاف عادت امور کا ظاہر ہونا اگر آپ کے نزدیک غلط ہے تو کیا مریم علیہ السلام نبی تھیں؟ ممکن ہے کہ آپ کا جواب نہ میں ہوگا تو پھر آپ کو یہ قبول کرنا پڑے گا کہ عیسی علیہ السلام سے جو معجزات ظاہر ہوں گی وہ برحق ہیں؟ ورنہ کیا اس حدیث کی طرح قرآن کی آیات کا بھی انکار کر دیں گے اس بناء پر کہ مریم علیہ السلام کو نبی نہ ہونے کے باوجود ایسی کرامات کس طرح عطا کر دی گئیں؟

اس پورے کلام سے بات بالکل روز روشن کی طرح صاف ہے کہ عیسی علیہ السلام کی سانس کی ہوا سے کافر کا مرنا وغیرہ بالکل درست ہے اور قرآن کے مطابق ہے۔

منکرین حدیث ایک اور حدیث پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اب روایت دجال کے متعلق ایک اور چیز ملاحظہ کیجئے نبی (ﷺ) سے منسوب قول ہے۔

"ان يخرج فيكم فان حجيجه دونكم وان يخرج ولست فيكم فامرء حجيج نفسه والله خليفتي على كل مسلم " (مسلم جلد 2 صفحہ 401)

www.KitaboSunnat.com

''اگر وہ دجال نکل آیا اور میں تم میں موجود ہوں تو میں تم سب کی جانب سے اس سے مقابلہ کروں گا اور اگر وہ نکل آیا اور میں تم میں موجود نہ ہوں پس ہر شخص اپنی جانب سے اپنا بچاؤ کر لے اور اللہ ہر مسلم پر میرا خلیفہ ہے۔

درج بالا الفاظ پر غور کریں۔''اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے'' اب لفظ خلیفہ کو دیکھیئے خلیفہ کہا جاتا ہے ،نائب قائم مقام اور جانشین کو یہ صفت انسان کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا:

''انی جاعل فی الارض خلیفه'' (سورۃ البقرہ)

'':میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں''۔

یہاں بعض مترجمین نے معنی کیا ہے میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں یہ ترجمہ درست نہیں اس میں ''اپنا'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا جو اچھی بات نہیں اللہ کا کوئی نائب نہیں اللہ خالق ہے اور تمام کائنات مخلوق ،مخلوق تو آپس میں ایک دوسرے کے خلیفہ ہو سکتے ہیں۔نبی (ﷺ) کی وفات کے بعد ابو بکر صدیقؓ آپ کے خلیفہ بنے کیونکہ خلیفہ معنی ہیں قائمقام و جانشین۔ایک نبی کی معصوم زبان سے کیونکر''اللہ میرا خلیفہ ہے'' جیسے شرکیہ الفاظ نکل سکتے ہیں نبی (ﷺ) تو شرک کو مٹانے کیلئے آئے تھے نہ کہ نعوذ باللہ شرک کی اشاعت کیلئے۔اگر کوئی شخص خلیفہ کا معنی حکمران بھی کرے پھر بھی یہ روایت دلالت کے اصول کے مطابق صحیح نہیں ہوگی کیونکہ روایت میں ہے اگر میں تم میں موجود ہوں تو تم سب کی طرف سے میں مقابلہ کرونگا اور اگر میں نہ ہوں تو اللہ ہی میرا خلیفہ ہے تو کیا نبی (ﷺ) کی زندگی میں اللہ آپ کا حکمران نہیں تھا۔

(دجال کے کارنامے ص30)

قارئین کرام:غور کیجئے کس طرح ایک صحیح حدیث کو اشاعت شرک کا ذریعہ قرار دیا جا رہا ہے۔حالانکہ صحیح حدیث شرک کو ختم کرتی ہے نہ کہ شرک پھیلاتی ہے۔اور اس صحیح حدیث پر نظر تحقیق ڈالی جائے تو یہ صحیح حدیث بھی شرکیہ عقائد کا رد کر رہی ہے نہ کہ شرک کی اشاعت کر رہی ہے۔

اس صحیح حدیث سے اس شرکیہ عقیدہ کا رد ہو جاتا ہے کہ نبی (ﷺ) عالم الغیب ہیں کیونکہ یہ حدیث وضاحت کر رہی ہے کہ نبی (ﷺ) کو زمانہ خروج دجال کا علم نہیں تھا اور اس شرکیہ عقیدہ کا بھی رد کر رہی ہے کہ نبی (ﷺ) حاضر و ناظر ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں کیونکہ اگر نبی (ﷺ) اس صفات کے حامل ہوتے تو یہ نہ کہتے کہ اگر میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوں تو ہر شخص خود اس سے حجت کرے (یعنی اس پر دلیل سے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔)(المنجد ص188)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پس یہ ثابت ہوا کہ صحیح حدیث شرک کا رد کرتی ہے نہ کہ اس کی اشاعت کرتی ہے۔

اب ہم لفظ خلفیہ کے معنی بیان کرتے ہیں خلیفہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی جانشین اور قائمقام بھی ہیں لیکن اس کے ایک معنی سب سے بڑا بادشاہ بھی ہے۔ (دیکھئے المنجد ص 294)

اور اس حدیث میں لفظ خلیفہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے لسان العرب 186/4)

امام ابوالعباس قرطبی اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هذا منه (ﷺ) تفويض الى الله تعالىٰ فى كفاية كل مسلم من تلك الفتن العظيمة ،وتوكل عليه فى ذلك ولا شك فى ان من فتح اسلامه فى ذلك الوقت انه يكفى تلك الفتن بصدق النبى (ﷺ) فى توكله وصحته لضمان الله تعالىٰ كفاية من توكل عليه بقوله "ومن يتوكل على الله فهو حسبه"

(الطلاق . آیت3.المفهم لمااشكل عليه تلخيص كتاب مسلم 277/7)

"اللہ کے نبی (ﷺ) کا یہ فرمانا کہ (اللہ ہر مسلم پر میرا خلیفہ ہے) یہ سچے مسلمان کی ان عظیم فتنوں سے کفایت میں اللہ کے سپرد کرنا اور اس میں اللہ پر توکل کرنا ہے بلا شبہ جو اس وقت صحیح معنوں میں مسلم ہوگا اس کے لئے ان فتنوں سے بچنے کے لئے نبی (ﷺ) کی سچی بات سے یہ کافی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے کیونکہ اللہ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے "جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے"۔

لیکن منکرین حدیث اس پر بھی معترض ہیں کہ نبی (ﷺ) نے فرمایا کہ "اگر میں تمہارے درمیان موجود ہوں تو میں تمہاری طرف سے مقابلہ کرونگا اور میں نہ ہوں تو اللہ ہر مسلم پر میرا حاکم ہے تو کیا نبی (ﷺ) کی زندگی میں اللہ آپ کا حاکم نہیں تھا۔ منکرین حدیث اس صحیح حدیث کے مفہوم کو غلط سمجھ بیٹھے کیونکہ نبی (ﷺ) کے اس طرح فرمانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اللہ آپ کی زندگی میں ان کا حاکم نہیں تھا۔

اس لئے کہ نبی (ﷺ) نے اپنے لئے اور ہر مسلم کے لئے بھی لفظ "حجیج" کا استعمال کیا ہے یعنی کہ اگر نبی (ﷺ) خروج دجال کے کے وقت خود موجود ہوئے تو آپ ہر مسلم کی طرف سے حجیج (یعنی مقابلہ کرنے والے) ہوں گے اور اگر آپ (ﷺ) موجود نہ ہوئے تو ہر مسلم اپنا حجیج (یعنی مخاصم) خود ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کہ نبی (ﷺ) نے یہ فرمایا کہ نعوذ باللہ میں ہر مسلم پر خلیفہ ہوں جب میں نہ ہوں گا تو اللہ ہر مسلم پر میرا خلیفہ ہے۔ بلکہ آپ نے فرمایا اللہ ہر مسلم پر میرا حاکم ہے۔ یعنی اللہ تو ہے ہی حاکم میں ہوں گا تو سب مسلمانوں کی طرف سے میں مقابلہ کرونگا اگر میں نہ ہوں تو ہر شخص خود مقابلہ کرے گا۔

اور عبارت کا ترجمہ بھی اسطرح ہی ہوگا کہ اللہ ہر مسلم پر میرا حاکم ہے لفظ ''ہے'' کا مطلب یہی ہے کہ نبی (ﷺ) کی زندگی میں بھی ہے اور آپ کی وفات کے بعد بھی لہٰذا منکرین حدیث کا حدیث سے اس طرح کا مفہوم اخذ کرنا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ لہٰذا حدیث اعتراض سے پاک ہے۔

دراصل منکرین حدیث احادیث صحیحہ کو ہر صورت رد کرنے کے در پے ہیں اور وہ کسی صورت بھی احادیث رسول ﷺ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور یہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں بلکہ حدیث دشمنی کی بنیاد پر ہے لہٰذا نبی کریم ﷺ کی احادیث کا انکاری اور ان سے دشمنی رکھنے والا درحقیقت نبی ﷺ ہی سے دشمنی کر رہا ہے اور اس کی یہ دشمنی نبی ﷺ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے تو ایسے شخص کا انجام یقیناً مشرکین مکہ جیسا ہی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کو یقیناً ذلیل وخوار کرے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کا تذکرہ

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات اور معجزات عطاء فرمائے ہیں۔ بلکہ ان کی پوری زندگی ہی معجزہ ہے چنانچہ ان کے معجزات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

1) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور وہ بی بی مریم علیہا السلام کے رحم میں صرف اللہ کے حکم سے وجود میں آئے اس لئے انہیں کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے القابات عنایت کئے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں سورہ آل عمران آیت 47، مریم 20، التحریم آیت 12، النساء آیت 171، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انہیں تئیس مقامات پر ابن مریم کہہ کر ماں کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ ان کے والد نہیں تھے۔

2) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد گہوارے میں لوگوں سے کلام (خطاب) کیا۔

(آل عمران آیت 46، مریم آیات 33 تا 30، المائدہ آیت 110)

3) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد فرمائی اور سیدنا جبریل علیہ السلام ان کے پشت پناہ رہتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔یعنی ان کی مدد کرتے تھے۔ (المائدہ آیت 110، البقرہ آیت 87,253)

4) سیدنا عیسٰی علیہ السلام اپنے ہاتھ سے مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن جاتا۔ (المائدہ آیت 110، آل عمران آیت 49)

5) مادرزاد اندھے کو وہ اللہ کے حکم سے بینا کر دیتے تھے۔(المائدہ آیت 110، آل عمران آیت 49)

6) کوڑھ کے مرض والے انسان کو اللہ کے حکم سے اچھا کر دیتے۔(المائدہ آیت 110، آل عمران آیت 49)

7) مردوں کو وہ اللہ کے حکم سے زندہ کرتے تھے۔(المائدہ آیت 110، آل عمران آیت 49)

8) سیدنا عیسٰی علیہ السلام لوگوں کو بتا دیا کرتے تھے کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور کیا کچھ گھر میں چھوڑ آئے ہو۔

(آل عمران آیت 2)

9) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی دعا سے ان کے حواریوں کے لئے آسمان سے دسترخوان نازل ہوا۔

(المائدہ آیت 115,114)

10) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا۔ (آل عمران آیت 55، النساء آیت 171,159,157)

سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وہ خصوصیات جو قرب قیامت انہیں عطاء ہونگیں

11) سیدنا عیسٰی علیہ السلام جب قرب قیامت دجال کو قتل کرنے کے لئے تشریف لائیں گے تو حالت کہولت یعنی بڑی عمر میں لوگوں سے کلام (خطاب) فرمائیں گے۔(آل عمران آیت 46، المائدہ آیت 110)

12) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو چونکہ قرب قیامت دنیا میں دوبارہ بھی آنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں تورات اور انجیل کے علاوہ کتاب اور حکمت (قرآن وحدیث) کی بھی تعلیم دی ہے۔(آل عمران آیت 48، المائدہ 110)

13) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا قرب قیامت آسمان سے دوبارہ نزول ہوگا کیونکہ وہ قیامت کے علم کا ایک ذریعہ ہیں۔(الزخرف آیت 61)

14) وہ امام عادل بن کر نازل ہونگے۔(صحیح بخاری ح 3449,3448,2476,2222، صحیح مسلم ح 155)

15) وہ صلیب کو توڑیں گے (شرک کی اس علامت کو ختم کر دیں گے)۔(ایضاً)

16) خنزیر کو قتل کر دیں گے۔(ایضاً)

17) جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔(ایضاً)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

18) مال اس قدر زیادہ ہوجائے گا کہ کوئی گننے والا نہیں ہوگا۔(ایضاً)

19) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی موت سے پہلے ہی تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔

(النساء آیت 159،بخاری ح2448، مسلم ح155)

20) کثرت مال کی وجہ سے لوگ جوان اونٹنیوں کو بھی چھوڑ دیں گے اور ان سے بے رغبتی کا مظاہرہ کریں گے یعنی ان پر سواری نہیں کرینگے۔(مسلم ح100)

(21) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی آمد کا مقصد

سیدنا عیسٰی علیہ السلام، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لئے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِيْ قَالُواْ أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُواْ وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِيْنَo فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ''۔ (آل عمران آیت81,82)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا (اور فرمایا) میں نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا کی ہے پھر کوئی رسول اس چیز کی تصدیق کرتا ہوا تمہارے پاس آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا (اللہ تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس بات پر میرے عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ (نبیوں نے) کہا کہ ہم نے اقرار کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ (اس بات پر) گواہ ہوں۔ اس (قول واقرار) کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائیں تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی آمد کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مدد کریں گے یعنی دجال اور کافروں کا دنیا سے خاتمہ کریں گے اور پوری دنیا میں دین اسلام کو غالب کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین اسلام کو پوری دنیا میں غلبہ عطاء کیا جائے گا۔(التوبہ آیت 33، الفتح آیت 28، الصف آیت9) اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے جو عہد لیا تھا سیدنا عیسٰی علیہ السلام نزول کے بعد اس عہد کو پورا کریں گے۔

22) نزول کے وقت وہ دمشق شہر کی مشرقی جانب سفید مینار کے قریب اتریں گے۔ اس وقت انہوں نے زرد رنگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی دو چادریں زیب تن کی ہونگیں اور نزول کے وقت انہوں نے فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہونگے وہ جب سر نیچے کریں گے (جھکائیں گے) تو پانی کے قطرات ان کے سر سے گریں گے (ایسا محسوس ہوگا کہ گویا وہ اسی وقت غسل کرکے آرہے ہیں۔) اور سر کو جب اٹھائیں گے تو پانی کے قطرات موتیوں کی طرح لڑکھتے ہوئے نظر آئیں گے۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال ح2937،دارالسلام ح:7373 سنن الترمذی ح2240وقال غریب حسن صحیح)

23) ایک روایت میں ہے: **کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ** ۔تمہارا اس وقت کیا عالم ہوگا جب تم میں عیسٰی ابن مریم نازل ہوں گے۔ (نبی کریم ﷺ نے اس بات کو بطور تعجب کے بیان فرمایا) اور وہ تمہاری امامت (اور قیادت) فرمائیں گے۔ امام ابن ابی ذئب رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد امام الولید بن مسلم رحمہ اللہ سے فرمایا: تم جانتے ہو فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ بیان فرمائیں انہوں نے فرمایا: عیسٰی علیہ السلام تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق تمہاری امامت (اور قیادت) فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ح 155،دارالسلام ح:394)

24) سیدنا عیسٰی علیہ السلام چونکہ ایک خاص مشن کے لئے تشریف لائیں گے چنانچہ وہ مسیح الدجال کو قتل کریں گے وہ خود بھی مسیح ہونگے اور مسیح الدجال کو بھی قتل کریں گے۔ آپ دجال کو تلاش کریں گے اور باب لد (اسرائیل کا ہوائی اڈا لیڈا Leda) کے پاس اسے قتل کریں گے۔ (مسلم ح:2937) ان کے انتخاب کی ایک وجہ غالباً مسیح نام کی مماثلت بھی ہوگا۔

25) دجال ان کو دیکھتے ہی ایسے پگھلے گا کہ جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ (مسلم ح 2897)

26) جو کافر بھی ان کی سانس کی ہوا پائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور ان کی سانس حد نظر تک جائے گی۔

(مسلم ح 2937)

27) سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ وحی بھیجے گا کہ اب میں اپنے ایسے بندے ظاہر کر رہا ہوں کہ جن کے مقابلہ کی تاب کسی میں نہ ہوگی۔ چنانچہ یأجوج ومأجوج پہاڑ سے نکل کر باہر آجائیں گے اور وہ اونچے پہاڑوں سے دوڑتے ہوئے نیچے آئیں گے۔ (ایضاً) جیسا کہ قرآن کریم میں بھی یأجوج ومأجوج کے نکلنے کا ذکر موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”حَتَّى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ o وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِيْنَ ''۔

''یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یأجوج اور مأجوج اور وہ ہر اونچی جگہ سے ڈورتے ہونگے اور قریب آجائے گا وعدہ سچا (قیامت کا)''۔(الانبیاء آیت 96,97)

نیز ذوالقرنین جب یأجوج ومأجوج کے علاقے میں آئے تھے۔اور انہیں یہ خبر دی گئی کہ یأجوج ومأجوج اپنے علاقوں سے باہر نکل کر زبردست تباہی مچاتے ہیں اور قتل وغارت گری کرتے ہیں تو انہوں نے ایک مضبوط بند (فولاد اور تانبے کی مضبوط دیوار) قائم کردی جس کی وجہ سے یأجوج ومأجوج اپنے علاقے میں محصور ہوکر رہ گئے۔اور قرب قیامت یہ دیوار منہدم ہوگی (سورۃ الکہف آیات 93 تا 98) اور قرب قیامت یأجوج ومأجوج آزاد ہوکر قتل وغارت کریں گے اور تباہی مچائیں گے اور یہ سب سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے دور میں ہوگا۔رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس دیوار میں تھوڑا سا سوراخ ہوگیا تھا اور آپ ﷺ نے اس بات کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا تھا (بخاری ح3346، مسلم ح2208) اور آخر کار یہ لوگ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی بدعاؤں سے ہلاک ہوجائیں گے۔(مسلم ح2937)

28) سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا دور انتہائی خیر وبرکت کا دور ہوگا زمین اپنی تمام پیداوار باہر نکال دے گی۔(ایضاً)

29) سیدنا عیسٰی علیہ السلام چالیس سال تک زندہ رہیں گے پھر وفات پائیں گے، مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔اور دفن کریں گے۔(مسند احمد 406/2, 75/6، ابو داؤد 4324، المستدرك 595/2) اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سچا ثابت ہوگا کہ وہ بڑھاپے میں لوگوں سے خطاب کریں گے۔(آل عمران آیت 46، المائدہ آیت 110)

دجال کا فتنہ

1) دجال کا فتنہ ایک عظیم فتنہ ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہے۔(مسلم ح2946) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اور اسے نیست ونابود کرنے کے لئے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا انتخاب فرمایا۔کیونکہ نبی کے علاوہ کوئی بھی اس فتنہ کو نہیں مٹا سکے گا۔

2) اور اس فتنہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے آخری تشہد میں اس فتنہ سے پناہ مانگا کرتے تھے۔(بخاری 6366,1382,8332، مسلم ح586,589) اور آپ نے اپنی امت کو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کی تعلیم دی کہ وہ تشہد میں دجال کے فتنے سے ضرور پناہ مانگا کریں۔(مسلم ح590,588)

3) دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اس کی آنکھ ایسی ہوگی کہ گویا وہ پھٹا ہوا انگور ہو۔(بخاری ح740، مسلم ح149)

4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی نے اپنی امت کو کانے دجال سے ڈرایا ہے، خبردار بے شک دجال کانا ہے جبکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔(یہ اس لئے فرمایا کہ دجال خدائی دعوٰی کرے گا حالانکہ وہ خدا نہیں ہوگا اگر خدا ہوتا تو کانا کیونکر ہوتا یعنی کانا ہونے کا عیب اس میں نہ ہوتا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے اور ہر خامی سے اور ہر کمزوری سے بالکل پاک وصاف ہے۔) اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ۔ک۔ا۔ف۔ر (کافر) لکھا ہوگا۔(بخاری ح7131، مسلم ح2933) ایک روایت میں ہے کہ ہر مؤمن شخص اسے پڑھ لے گا چاہے وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہو یا نہیں۔(مسلم ح2934)

5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار میں تمہیں دجال کے بارے میں وہ بات بتاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو وہ بات نہیں بتائی۔ دجال کانا ہوگا اور وہ اپنے ساتھ جنت اور جہنم کی مثل رکھے ہوئے ہوگا۔ جسے وہ جنت کہے گا وہ حقیقت میں جہنم ہوگی اور میں تمہیں دجال سے اس طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔(بخاری ح3338، مسلم ح2936)

6) دجال کے جسم پر کثرت کے ساتھ بال ہونگے۔(مسلم ح2934)

7) دجال گھنگریالے بالوں والا ہوگا۔(مسلم ح2937)

8) دجال سے ملاقات کے وقت سورۃ الکھف کی ابتدائی دس آیات اس پر پڑھنے سے دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔(ایضاً)

9) دجال شام اور عراق کے درمیان ایک راستہ سے نکلے گا اور دائیں اور بائیں طرف فساد برپا کرے گا۔(ایضاً) اور ایک روایت میں ہے کہ دجال مشرق کی زمین خراسان سے نکلے گا اور وہاں کے کچھ لوگ اس کے ساتھ چلیں گے۔(سنن الترمذی واسنادہ حسن) نیز دیکھئے نمبر 16)

10) دجال زمین پر چالیس دن تک رہے گا اور اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر اور دوسرا دن ایک مہینے کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی دن عام دنوں کے ہونگے۔(مسلم ح2937)

11) دجال زمین پر تیز رفتاری سے گھومے گا۔ اس کی رفتار اس تیز بارش کی سی ہوگی کہ جسے ہوا پیچھے سے تیزی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے دھکیل رہی ہوتی ہے۔(ایضاً)

12) جولوگ دجال پر ایمان لائیں گے ان پر بارش برسے گی اور زمین ان کے لئے سبزہ اگائے گی اور ان کے جانور فربہ ہو جائیں گے اور زیادہ دودھ دینے لگیں گے۔اور جو لوگ دجال کا انکار کریں گے تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے۔(ایضاً)

13) دجال ایک بے آباد زمین پر جائے گا اور اسے حکم دے گا کہ وہ اپنے خزانے نکال دے۔وہ خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے۔(ایضاً)

14) دجال ایک نوجوان کو جو اس کا انکار کرے گا قتل کر دے گا۔اور اسے دو ٹکڑے کر دے گا۔پھر دجال اسے زندہ کرے گا۔وہ شخص بتائے گا کہ دجال مسیح کذاب ہے اور وہ اس کا شدت سے انکار کرے گا۔وہ شخص کہے گا کہ اب میرے بعد اس کی بات (حکم) کسی پر نہیں چلے گی۔دجال اسے قتل کرنا چاہے گا تو قتل نہیں کر سکے گا پھر وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جو کہ درحقیقت جنت ہوگی۔(مسلم ح2938،دارالسلام ح:7377،نیز ملاحظہ فرمائیں بخاری ح1882، مسلم ح2937)

15) دجال کے فتنے سے بچنے کے لئے لوگ پہاڑوں پر پناہ لیں گے۔(مسلم ح2945)

16) اصفہان (ایران) کے ستر ہزار یہودی دجال کے پیروکار ہو جائیں گے اور جن پر طیلستان کا لباس ہوگا۔ (مسلم ح2944) شیعہ چونکہ اپنے امام غائب کے منتظر ہیں لہٰذا وہ دجال کو اپنا امام مہدی سمجھ کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے شیعہ کا پہلا اور اصلی امام عبداللہ بن سبا یہودی تھا اس لئے اس حدیث میں انہیں ان کی اصل کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

17) دجال مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (بخاری ح1879، مسلم ح2943,1380)

18) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دجال کے بارے میں سنے تو وہ اس سے دور رہے۔

(سنن ابی داؤد ح4319، واسنادہ صحیح)

19) دجال جب نکلے گا تو وہ ایک گندے گدھے پر سوار ہوگا۔(مصنف ابن ابی شیبہ 162,161/15 وسندہ حسن)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے دلائل کا علمی جائزہ

ہادی صاحب نے اپنی کتاب عقیدۂ خاتم النبین صفحہ: 20 میں عیسٰی علیہ السلام کی وفات کو ثابت کرنے اور قرب قیامت ان کے عدم نزول پر قرآن پاک کی کچھ آیتوں سے استدلال کیا ہے۔ آیئے ہم انصاف کی نظر سے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں: ہادی صاحب نے قرآن پاک کی چند آیات سے غلط استدلال کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ وہ دلائل یہ ہیں۔

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ '' (سورہ آل عمران آیت 144)

اور نہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول تحقیق اس سے پہلے سب رسول (دنیا سے) گزر چکے ہیں۔

یہ وہ آیت ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے پڑھی تھی تفسیر المنار میں اس آیت کی وضاحت یوں آئی ہے۔

" وحاصل المعنى أن محمداً ليس إلابشراً رسولاً قدخلت ومضت الرسل من قبل فماتوا وقد قتل النبيين كزكريا ويحيٰى فلم يكن لأحد منهم الخلد وهو لا بدأن تحكم عليه سنة اللّٰه بالموت فيخلو كما خلو من قبله إذلابقاء إلااللّٰه وحده . ولاينبغى للمؤمن الموحد ان لعتقده لغيره افان ات كمامات موسٰى وعيسٰى اوقتل كما قتل زكريا ويحيٰى تنتغلبون علٰى اعقابكم "

(تفسیر المنار جلد ۹ صفحہ 171)

''مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ تو ایک بشر ہیں رسول ہیں آپ سے پہلے رسول گزر چکے ہیں اور بعض نبی جیسے زکریا و یحییٰ علیہم السلام قتل کئے گئے ہیں۔ ان میں ہمیشگی کسی کے لئے نہ تھی تو ضروری ہے کہ اللہ کی سنت کے مطابق آپ پر بھی موت کا فیصلہ صادر ہو جائے جبکہ اللہ کے سوا کسی کو بقاء نہیں اور ایک مومن موحد کو بس یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے نہ کہ اس کے خلاف۔ پس اگر آپ بھی وفات پا جائیں جیسے موسیٰ و عیسٰی علیہم السلام فوت ہو گئے ہیں یا قتل کئے جائیں جیسا کہ زکریا اور یحیی قتل کئے گئے تو کیا تم دین اسلام سے ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔

ازالہ:

ہادی صاحب نے اپنے استدلال کو قوت بخشنے کے لئے رشید رضا کی لکھی ہوئی تفسیر ''المنار'' کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالہ دیا ہے یہ بات اظہر من الشمس ہے کسی ایسی آیت کی تفسیر جو ذو معنی ہو اصول تفسیر کی روشنی میں چار طریقوں سے تفسیر کی جاتی ہے۔

اولاً: قرآن پاک کی کسی اور آیت سے اس کا مفہوم و مراد جانا جاتا ہے۔

ثانیاً: حدیث نبوی جو قرآن کی تشریح ہے سے اس کو سمجھیں گے۔

ثلاثاً: اگر کسی آیت یا حدیث سے اس کا مفہوم واضح نہ ہو تو صحابہ کی تفسیر کی طرف رجوع کریں گے۔ کیونکہ انھوں نے وحی الٰہی کا مشاہدہ کیا اور قرآن کریم کے مفہوم کو سب سے زیادہ صحیح سمجھنے والے تھے۔

رابعاً: اگر قرآن وسنت اور اقوال صحابہ میں نہ ملے تو ائمہ تابعین کی وہ تفسیر جو اتفاقی ہوگی اس کو لیں گے اگر اس میں بھی نہ ملے تو لغت قرآن وحدیث یا عموم لغت عرب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے۔

پس جان لو کہ رشید رضا نے اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے نہ قرآن کی کسی دوسری آیت کا حوالہ دیا ہے نہ کسی صحیح حدیث کا اور نہ اس نے صحابہ کی تفسیر کی طرف رجوع کیا اور نہ تابعین کی کسی متفقہ تفسیر کو لیا ہے اور نہ لغت عرب سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا ہم ان کی اس تفسیر کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے جبکہ قرآن پاک میں واضح طور پر موجود ہے:

''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنَ'' (الزخرف 61/43) جیسا کہ تفسیر الطبری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پس واضح ہوا کہ '' قَدْ خَلَتْ '' کا مفہوم وہ نہیں جو رشید رضا صاحب سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کے نقش قدم پر ہادی صاحب آنکھ بند کر کے چل پڑے ہیں۔

جیسا کہ تفسیر الطبری وابن کثیر وقرطبی وغیرہ تفاسیر میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے نزول فرمائیں گے۔

ابن جریر الطبری ابن عباس کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں ''عن ابن عباسؓ '' وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ '' قال خروج عیسیٰ ابن مریم'' (تفسیر الطبری جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۲)

یعنی اس آیت ''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' (الشوریٰ ۔آیت ۲۶) یقیناً وہ قیامت کے علم میں سے ہیں۔'' کی تفسیر میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ جلیل القدر صحابی کی بیان کردہ تفسیر ہے جو امت کے لئے قابل قبول ہے اس لئے کہ یہ وہ صحابی ہیں جن کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعا کی تھی کہ اے اللہ! اسکو دین کی سمجھ عطا کر اور (قرآن کی) تفسیر کا علم عطا کر۔

افسوس کی بات ہے کہ ہادی صاحب جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن عباس کی تفسیر کو پس پشت ڈال کر اس کے مقابلہ میں کسی ایسے شخص کی تفسیر کو اہمیت دے رہے ہیں جو اسلاف کے نقش قدم سے بالکل ہٹا ہوا ہے۔ اور رہی بات اس آیت کی '' وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ''اور نہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں''۔ (ال عمران آیت ۱۴۴)

اس سے عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت ہی نہیں ہوتی کیونکہ دوسری قرآنی آیتوں سے ان (عیسٰی علیہ السلام) کا اٹھایا جانا اور قرب قیامت نزول اشارتاً یا صراحتاً ثابت ہوتا ہے بلکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے احد کی لڑائی میں شریک ہونے والے صحابہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر بالفرض نبی قتل ہو جائیں یا دنیا سے رحلت فرمائیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے ان کے بھائی بہت سارے انبیا گزر چکے ہیں جو اللہ کے راستے میں آزمائے اور قتل کئے گئے۔ اس سے ان کے متبعین نے دین اسلام اور عقیدہ و عمل کو نہیں چھوڑا بلکہ اللہ کے راستے میں ثابت قدم رہ کر لڑتے رہے جس طرح کہ شیخین کی مسند میں مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تب تلاوت کی کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر غم کے مارے حیرت زدہ اور سخت پریشان ہو گئے تھے اور ان میں جید صحابہء کرام شامل تھے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ تو اس موقع کی مناسبت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی تا کہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کی شدت غم اور تکلیف دور ہو جائے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ آیت سنی تو ان کو ایسا لگا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔ اس سے ان کی حیرت و اضطراب ختم ہو گی اس آیت کا یہی صحیح پس منظر ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اذا لیس فلیس پس ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کی وفات کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے کہ نبی کو موت آنا سنت اللہ میں سے ہے نہ کہ عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے بارے میں خبر دے رہے تھے۔ کیونکہ عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں یہ غلط اور خود ساختہ عقیدہ اس وقت کے پاکیزہ دل اور مطہر ذہن والوں سے متصور نہیں ہو سکتا اور اس آیت کی تلاوت سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محمد ﷺ کی موت کی خبر دی تھی نہ کہ دیگر انبیا کی۔ جیسا کہ فرمایا:

" فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں''۔

(صحیح البخاری حدیث نمبر 1241۔1242 کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت اذاأد رج فی أکفانه)

دوم یہ کہ بعض لوگوں کو جنگ احد کے دن شبہ ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو مرنا نہیں چاہیئے اسی طرح کا وہم بعض صحابہ کو آپ ﷺ کی وفات پر ہوا کہ آپ فوت نہیں ہو سکتے اور یہ بات خواہ نبی ﷺ کی وفات کا واقعہ عظیمہ کے سبب طبیعت پر سخت صدمہ گزرنا اسکا موجب ہوا یا کچھ اور غرض وہم یہی تھا کہ آپ ﷺ پر موت نہیں آسکتی پس ابوبکر صدیق کا اس وہم کو دور کرنے کے لئے اس آیت کو پڑھنا اس بات کی توضیح کے لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت صرف یہی ہے کہ رسالت اور موت میں منافات نہیں ہے پس اس آیت سے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وفات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس آیت سے تحریض الی القتال والعمل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ج فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ''(ال عمران آیت :146)

''اور کتنے ہی نبی (گزر چکے ہیں) کہ جنگ کی ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے سونہ تو پست ہمت ہوئے وہ ان مصیبتوں کی وجہ سے جو پہنچی انھیں اللہ کی راہ میں اور نہ کمزوری دکھائی (دشمن کے آگے) اور نہ بے دست و پا ہو کر بیٹھ گئے اور اللہ محبوب رکھتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو''۔

سوم یہ کہ دجال کا خروج اور سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا نزول ایک طرح سے دونوں آپس میں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ ایک کو ماننے سے دوسرے کا ماننا لامحالہ لازم آئے گا خصوصاً جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دجال کے خروج کی حدیث کے راوی بھی ہیں۔(سنن ابن ماجه کتاب الفتن باب فتنة الدجال وخروج عیسٰی ابن مریم وخروج یأجوج ومأجوج رقم الحدیث 4072) تو آپ نزول عیسٰی علیہ السلام سے کب غافل ہو سکتے ہیں۔

چہارم یہ کہ اس آیت میں ''اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ ''موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ کی نظر آپ ﷺ کی موت ممکن ہونے کے لئے ہے'' افان مات'' پر ہے نہ کہ'' قد خلت من قبله الرسل'' پر ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی موت کے متعلق وہم وحیرت کا شکار ہوئے تھے نہ کہ دیگر رسل کے متعلق اس لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر کہا تھا کہ'' فكأني لم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أقرأها الا یومئذ''(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1627 کتاب الجنائزباب ذکر وفاتہ ودفنہ) گویا یہ آیت میں نے اسی دن پڑھی (تلاوت کی) تھی۔یعنی جس دن نبی کریم ﷺ کی وفات پر ابوبکر صدیقؓ نے اس کی (تلاوت کی)

لہٰذا اس آیت سے وفات عیسٰی علیہ السلام پر استدلال کرنا قرآن کریم کی دوسری آیات اور صحیح احادیث وسلف صالحین کی تفسیر سے روگردانی ہے۔

پنجم :اس میں شک نہیں کہ تمام انبیائے کرام کو موت آ چکی ہے لیکن سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر موت کا نہ آنا ایک استثنائی صورت ہے جیسا کہ ہر مردہ جانور حرام ہے لیکن مچھلی اور ٹڈی مردہ ہونے کے باوجود حلال ہیں اسی طرح ہر انسان مرد وعورت کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے لیکن سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ بی بی حوا علیہا السلام ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے۔ نیز سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ اور اس طرح کے استثنا کی مثالیں قرآن واحادیث میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا ہم کسی اور مقام پر تذکرہ کریں گے ان شاء اللہ۔

منکرین حدیث لکھتے ہیں ''صحابہ کرام کا اجماع'' جیسا کہ بخاری ومسلم سے ثابت ہے کہ وفاۃ النبی ﷺ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے تو۔قرآن کی آیت (**وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل**) میں آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء علیہ السلام کی وفات پر بھی اجماع ہے۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 28)

اور اس بات کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ وفات عیسٰی علیہ السلام پر صحابہ کا اجماع نہیں ہے بلکہ ایک صحابی بھی اس کا قائل نہیں ہے اجماع تو دور کی بات ہے کیونکہ کسی ایک صحابی سے بھی بسند صحیح ان کی وفات کا ذکر نہیں ملتا کیونکہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تھی اور صحابہ میں جو ہل چل مچی تھی وہ محمد ﷺ کی موت کے بارے میں تھی لہٰذا اجماع بھی اس بات پر ہوا ہے۔اور عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے بارے میں نہ ہل چل مچی تھی اور نہ اس پر اجماع واقع ہوا تھا۔

جب قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں۔تو صحابہ کرام جو قرآن وسنت کو سب سے زیادہ ماننے والے تھے اس چیز کا انکار کیسے کر سکتے تھے۔اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بالتصریح پکار رہی ہے کہ وہ سب صحابہ کے درمیان اس آیت'' **وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن**

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بہ قبل موتہ'' کی تلاوت کرکے ''موتہ'' کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دے کر آپ کا نزول ثابت کر رہے ہیں۔(دیکھئے صحیح مسلم مع النووی جلد 2باب 71رقم الحدیث 242)اس کے علاوہ اسی مضمون کی ایک اور مرفوع حدیث بھی موجود ہے:اخرجہ ابن مرویہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺیوشک اینزل فیکم ابن مریم عدلاً یقتل الدجال ویقتل الخنزیر ویکسر الصلیب ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی یکون السجدۃ واحدۃ للہ رب العالمین واقراء وان شئتم وان من اھل الکتب الالیؤمن....الایۃ(درالمنشور جلد 2ص681)اوراس تصریح نزول کے موقع پر کوئی صحابی نہ تو نفس مضمون یعنی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتا ہے۔اور نہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ضمیر کا مرجع سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینے کو غلط کہتا ہے اور نہ آپ کے استدلال کو ضعیف قرار دیتا ہے۔پس اجماع حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا نہ کہ وفات پر،قطع نظر اس سے کہ یہ روایت صحیح بخاری وصحیح مسلم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول پر اجماع کو ثابت کررہی ہے اور اگر احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کا جائزہ لیا جائے تو یہ اتنے صحابہ کرام سے مروی ہیں کہ یہ روایتیں متواتر ہیں اور جن صحابہ سے یہ روایتیں مروی ہیں ان میں سیدنا عبداللہ ابن عباس ،سیدنا عبداللہ ابن عمر،سیدنا ابوبکر صدیق ،سیدنا ابو ہریرہ ،سیدنا نواس ابن سمعان ،سیدہ فاطمہ بنت قیس وغیرہم (رضوان اللہ علیہم اجمعین)شامل ہیں ۔اس کے باوجود وفات عیسیٰ علیہ السلام پر اجماع کا دعوی کرنا نہ صرف غلط اور کذب صریح ہے بلکہ دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی بھی طرح یہ ثابت کرنا ممکن نہیں کہ وفات عیسیٰ علیہ السلام پر صحابہ کا اجماع ہے بلکہ فی الحقیقت حیات ونزول عیسی علیہ السلام پر ہی اجماع ثابت ہو چکا ہے۔

''قد خلت '' کے معنی پر علمی بحث

منکرین حدیث لکھتے ہیں۔دیکھئے انسانوں اور جنات کے لئے ''قد خلت '' آیا ہے یہاں دنیا سے ہو کر گزرنا موت کے معنی میں ہے سورہ اعراف آیت نمبر 37 میں مرنے کا ذکر ہے اور آیت نمبر 38 میں ان مرے ہوئے اشخاص کی ارواح کو کہا جاتا ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''قال ادخلوا فی امم قدخلت من قبلکم من الجن والانس فی النار''

''فرمایا کہ داخل ہوجاؤان انسانوں اور جنات کے گروہوں کے ساتھ آگ میں جوتم سے پہلے گذر چکے ہیں''۔

تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوئی کہ'' قدخلت ''انسانوں کے مرنے کے معنی میں ہے تو سورۃ ال عمران کی درج بالا آیت سے سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وفات بھی ثابت ہے۔ کیونکہ آپ بھی پہلے رسولوں میں سے ہیں۔

منکرین حدیث نے بڑی چالاکی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ''قدخلت'' کے معنی مرنے کے ہیں۔اس لئے انہوں نے''قدخلت'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ انسانوں کے یہ معنی لئے جائیں گے۔اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ لفظ''قدخلت'' کے علاوہ انسانوں کے ساتھ''خلوا'' وغیرہ بھی استعمال ہوئے ہیں اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ'' قد خلت ''انسانوں کے لئے مرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔حالانکہ حرف'' قد'' تاکید کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی فعل کے ساتھ لگانے سے معنی تبدیل ہوجاتے ہیں اسی طرح خلت فعل ماضی مفرد مؤنث ہے لیکن اس سے بھی اس فعل کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے ذھبت کہو یا ذھب معنی وہی رہیں گے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''أولم یر الانسان انا خلقنا ہ من نطفة''۔

''کیا انسان کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے''۔(سورہ یٰس 77/36)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

''انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج''.(الدھر 2/76)

''خلق '' کے معنی ہیں پیدا کرنا لیکن اگر اس کے ساتھ حرف قد لگا دیا جائے تو کیا اسکے معنی تبدیل ہوجائیں گے ہرگز نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توس بہ نفسہ''

''اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اس سے واقف ہیں''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا جب یہ بات واضح ہے کہ حرف ''قــد'' کو کسی فعل میں ملانے سے اس کے معنی ہرگز تبدیل نہیں ہوتے۔تو منکرین حدیث کی چالا کی بیکار گئی۔وہ سیدھے سادھے مسلمانوں کو لفظوں کی ہیرا پھیری سے بھٹکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اب ذرا غور کریں! **خـلـت** مشتق ہے ''**خـلـو**'' سے اور موضوع مکان کی صفت کے لئے اور مراد اس جگہ کا خالی کرنا ہے۔(چنانچہ لسان العرب میں ہے''**خـلا**'' **خـلاالـمـكـان والشـئی يخلو خلوا وخلاوه وأخلىٰ اوالم فيه أحاولاتی وهو خالی** ''.(لسان العرب جلد 4ص200-205) یہ لغت کی سب سے بڑی کتاب کی صراحت ہے۔اور اب قرآن مجید کی صراحت اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

''**واذاخلوا الی شیاطینهم**'' (سورة البقرة آیت 14)

''اور جس وقت یہ منافق اپنے بڑے شیطانوں (یعنی رئیسوں) کے پاس جاتے ہیں''۔

اوراسی طرح اس آیت سے پیشتر

''**واذاخلواعضوا علیکم الانامل من الغیظ** ''۔(سوره آل عمران آیت 119)

''منافق لوگ جس وقت تم سے الگ ہوتے ہیں تو تم پر غیض وغضب کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں''۔

ان سب آیتوں میں ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ تخلیہ میں جانا مراد ہے جسے انتقال مکانی کہتے ہیں۔ دوسرے خلو کے معنی جو زمانے کے متعلق ہوتے ہیں۔گزرنا ہے جیسے آیت:

''**بما اسلفتم فی الایام الخالیه**''۔

''جو کچھ تم نے ایام گذشتہ میں کیا اس کے عوض جنت کی ان نعمتوں میں رہو''۔(سورۃ الحاقہ آیت 24)

اور ہر ذی علم سمجھتا ہے کہ گزرنا زمانے کی صفت بالذات ہوا کرتی ہے اور جن چیزوں پر زمانہ گزرتا ہے یعنی گزرنا علاقہ ظرفیت ومظرفیت ان چیزوں کی صفت بھی ہوسکتی ہے مگر بالذات نہیں بلکہ بالعرض پس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جگہ خالی کر گئے اور گزر گئے بیشتر اس کے کئی رسول اور یہ معنی مردوں اور زندوں دونوں کے لئے ہیں کیونکہ جگہ خالی کرنے اور گزرنے کی کیفیت صرف موت ہی میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہ لفظ ''خلو'' مردوں کے حق میں انتقال بالموت کے معنی میں متعین ہوگا۔اور جگہ تبدیل کرنے کے معنوں میں جس طرح کہا جاتا ہے کہ اس شہر میں کئی حاکم گزرے ہیں پس جس طرح یہ جملہ خواہ وہ حاکم مرگیا ہو خواہ وہاں سے تبدیل ہوکر دوسری جگہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چلا گیا ہو ہر دو حال میں صحیح المعنی رہتا ہے اسی طرح یہ آیت (قد خلت من قبله الرسل) میں سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے حق میں بدلالت آیت ''بل رفعه الله اليه ''وغیرہ دوسرے معنی یعنی گزرے ہیں۔لیکن اس طرح گزرے ہیں کہ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں نہ کہ مر کے گزرے ہیں۔

لہٰذا جب قرآن مجید اور لغت سے یہ ثابت ہے کہ'' خلت '' کے معنی گزرنے کے ہیں تو (من قبله الرسل) کے یہی معنی ہوں گے ان سے پہلے بیشتر رسول گزرے ہیں۔اب ان کے گزرنے کی کیفیت کیا تھی اس کی وضاحت دوسرے دلائل سے ہوگی۔

جو انبیاء اس دنیا سے وفات پا کر گزرے ہیں تو اس کی وضاحت بھی ہے اور سیدنا عیسٰی علیہ السلام اس طرح گزرے ہیں کہ ان کو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا ہے دوسری آیت اس کی وضاحت کرتی ہے''بل رفعه الله اليه'' کہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (زندہ) اٹھالیا۔(سورہ نسآء آیت 158)

منکرین حدیث نے ترجمہ کیا ہے کہ (قدخلت من قبله الرسل) تحقیق اس سے پہلے سب رسول (دنیا سے) گزر چکے ہیں۔

انہوں نے''من قبله كو(الرسل) کی صفت جانا ہے۔یہ صریح غلطی ہے اور علم نحو سے نا آشنا ہونے یا دیدہ دانستہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی صریح کوشش ہے کیونکہ آیت میں (من قبله الرسل) کی صفت نہیں ہوسکتی بلکہ محل ظرف میں واقع اور متعلق ہے فعل (خلت) کے کیونکہ ظرف کے لئے ضروری ہے کہ کسی فعل کے متعلق ہو پس آیت کے معنی یہ ہوں گے''اس سے بیشتر کئی رسول گزر چکے ہیں''

اگر''من قبله'' کو''خلت'' کے متعلق ظرف ٹھہرائیں جو بالکل درست ہے اور''الرسل'' کے الف لام استغراقی مانیں جو بالکل غلط ہے۔(تو معاذ الله ثم معاذ الله)

اندریں صورت پہلے قضیہ مامحمد الا رسول کے خلاف رسول اللہ ﷺ جماعت مرسلین سے خارج ہوں گے۔کیونکہ پھر تو اس آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جتنے اشخاص صفت رسول سے موصوف تھے وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بیشتر فوت ہو چکے ہیں،پس معاذ اللہ آپ رسول برحق ثابت نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جس معنی میں قرآن شریف کی آیت میں تعارض واقع ہو خصوصا کسی نبی برحق کی رسالت کا انکار لازم آتا ہو وہ معنی بالکل باطل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیگر یہی الفاظ ''من قبلہ'' (سورہ مائدہ آیت 73) میں سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے حق میں دربارنفی الوہیت وارد ہوئے ہیں۔پس اگر جہالت سے الف لام کو استغراقی مانا جائے تو لابد تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول کے وقت فوت ہو گئے تھے۔اور یہ باطل ہے۔یا معاذ اللہ انکار نبوت محمد وعیسوی لازم آئے گا کیونکہ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ سب رسول سیدنا عیسٰی علیہ السلام سے پیشتر فوت ہو گئے ہیں۔

حالانکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مسیح علیہ السلام کے رفع کے کئی زمانے بعد پیدا ہوئے اور شرف نبوت سے ممتاز ہوئے اور اس آیت کے وقت زندہ موجود تھے۔

منکرین حدیث۔''الرسل'' کے ''ال'' کو استغراق کے لئے استعمال کر رہے ہیں جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہو کر ہمیشہ استغراق افراد کا فائدہ نہیں دیتا۔پس ایک رسول یا چند رسولوں کی موت کا ذکر مقصود حاصل ہے۔

پس۔''الرسل'' کا الف لام استغراق کا نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔اور الف لام جنسی ہے۔کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہو کہ ہمیشہ استغراق افراد کا فائدہ نہیں دیتا۔

بلکہ تین معنی میں سے کسی معنی سے ہوتا ہے۔(1) عہد (2) استغراق (3) تعریف جنس۔جیسا کہ علم نحو والوں پر مخفی نہیں ہے۔

الرسل :کا الف لام عہدی اس لئے نہیں ہے کہ اس سے اوپر ان رسولوں کا ذکر نہیں ہے اور اس سے استغراق نہ ہونے کے لئے ''من قبلہ'' اور شان نزول کا مانع ہونا بیان ہو چکا ہے پس با قاعدہ تردید دوران جنسی ہوا۔ لہٰذا آیت کے معنی ہوئے ''تحقیق گزر چکے ہیں پیشتر اس سے کئی رسول''

تو الف لام کے استغراق نہ ہونے کے سبب تمام رسول فوت شدہ ثابت نہ ہوئے بلکہ بعض رسول لہٰذا یہ آیت سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی وفات قبل نزول کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

اگر کہا جائے کہ الف لام جمع کے صیغے پر جب کبھی آتا ہے تو مفید استغراق ہی ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ۔'' **ولقد اتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل** '' کو غور سے پڑھنا چاہئے کہ یہی لفظ ''الرسل'' بصیغہ جمع یا الف لام موجود ہے اور یہاں استغراق افراد قطعاً باطل ہے کیونکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی اور ان کے پیچھے ان کے آئین پر کئی رسول بھیجے''۔نہ کہ سب رسول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے کیونکہ معلوم یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے رسول نہیں ہیں بلکہ کئی رسول آپ سے پہلے ہوئے اور کئی آپ کے بعد پس ہر دو حالت میں ''الـــرســـل'' سے مراد کئی پیغمبر ہیں نہ کہ سارے۔

اسی طرح قرآن شریف میں کئی مقام پر جمع کا صیغہ الف ولام کے ساتھ آیا ہے اور وہاں استغراق افراد مراد نہیں بلکہ کثرت کے معنی ہیں۔ جیسے: اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ (حم سجدہ آیت 14) اور ''وقد (خلت من قبله الرسل) بصیغہ جمع الف لام سب کچھ موجود ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ آیت قد خلت من قبله الرسل کے یہ معنی نہیں جو رسول سیدنا محمد ﷺ سے پیشتر تھے وہ سب مر گئے بلکہ اس کے معنی جو لغت عرب اور قواعد نحو اور علم منطق کے لحاظ سے صحیح نہیں کہ ''تحقیق گزر چکے پیشتر اس کے رسول''

اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کے معنی منکرین حدیث کی غلط تحقیق کے موافق ہیں تو بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ دلیل خاص کے مقابلہ میں اس کے خلاف عام دلیل سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج۔'' (الدھر آیت :2)

''ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔''

چونکہ آدم علیہ السلام بھی انسان ہی ہیں اور ان کی پیدائش بھی نطفے سے ثابت ہوئی کیونکہ بروئے شکل اول اس کا قیاس اس طرح ہے۔ صغریٰ آدم انسان ہے۔ کبریٰ سب انسان نطفے سے پیدا ہوئے۔

نتیجہ: پس آدم علیہ السلام بھی نطفے سے پیدا ہوئے۔

یہ بالکل باطل ہے اس وھم کا ازالہ اس طرح ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش دوسرے مقام پر دلیل خاص سے ثابت ہے کہ مادہ منی سے نہیں ہوئی۔ اور اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش نفخ روح القدس سے ہوئی۔ پس آدم وحوا اور عیسیٰ علیہم السلام جن کی پیدائش کی کیفیت خاص دلیل سے ثابت ہے۔ اس کو آیت سورۃ الدھر سے مستثنیٰ رکھے جائیں گے اور ان کے علاوہ دوسرے انسانوں پر اس آیت کا حکم لگایا جائے گا کہ وہ مادہ منی سے پیدا ہوئے۔

پس جب دوسرے مقام پر حیات عیسیٰ علیہ السلام خاص دلیل سے ثابت ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت ''قد خلت من قبله الرسل '' کے عموم سے باہر رہیں گے لہٰذا آپ کی وفات ثابت نہ ہوئی۔قرآن وحدیث میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر عام قانون میں استثنائی صورت بھی ہوتی ہے۔مثلاً اس کی ایک مثال اوپر بھی گزر چکی ہے اور دوسری مثال اسی سورۃ الدہر کی بقیہ آیت میں انسان کے متعلق یہ قانون بھی بیان کیا گیا ہے: فجعلنه سميعا بصيرا''۔ہم نے انسان کو سننے اور دیکھنے والا بنایا''۔اب جو لوگ مادرزاد اندھے یا بہرے ہیں کیا انہیں بھی انسان تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ کیونکہ اس آیت سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انسان وہ ہے جو دیکھنے اور سننے والا ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس آیت سے اندھے اور بہرے کو انسانیت سے خارج کرنا جہالت کی انتہا ہوگی۔فافھم۔اس طرح ہر مسئلہ میں استثنائی صورت بھی ہوتی ہے جو غور کرنے سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

منکرین حدیث نے وفات عیسیٰؑ کو ثابت کرنے کے لئے کچھ اور آیتوں سے استدلال کیا ہے۔

وما جعلناهم جسدا لا يأكلون الطعام وما كانوا خالدين ''(الانبیاء آیت 8)

''اور ہم نے ان کو ایسے بدن نہیں دیئے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔''

سورہ انبیاء میں نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا ذکر ہے کہ وہ مرد تھے تو لازمی بات ہے کہ عیسیٰؑ بھی دیگر انبیاء کی طرح مرد تھے اور آپ سے پہلے تھے وہ بھی کھانا کھاتے تھے جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے ''كانا يأكلان الطعام'' آیت 75) دونوں (ماں مریم۔بیٹا عیسیٰؑ) کھانا کھاتے تھے۔فرمایا نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے مطلب یہ کہ ان پر موت وارد ہو چکی ہے نہ موت ان پر وارد ہونے والی ہے۔

وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افأئن مت فهم الخالدون (الانبیاء آیت 34)

آپ سے پہلے کسی بھی انسان کو ہم نے ہمیشگی نہیں دی۔پس اگر آپ وفات پا جائیں تو آیا وہ ہمیشہ رہیں گے۔

''كل نفس ذائقة الموت'' ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا۔

درج بالا آیت میں مشرکین مکہ کا اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے۔کہ آپ کے مرنے پر یہ کیوں خوش ہوتے ہیں آپ سے پہلے جتنے بھی انسان گزرے ہیں۔کیا ان میں سے کوئی انسان ہمیشہ رہا ہے (یعنی موت سے نہیں بچا) پس اگر آپ وفات پا جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے (یعنی موت سے بچیں گے؟ نہیں یہ بھی نہیں بچ سکتے) کیونکہ ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے درج بالا آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عیسیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیہ السلام بھی موت سے نہیں بچے)(عقیدہ خاتم النبین ص 22)

ادھر بھی منکرین حدیث ان آیتوں سے زبردستی وفات عیسیٰؑ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ان آیتوں میں لفظ ''خلد'' اور ''خالدین'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے یعنی یہ انبیا ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔

اور یہی ترجمہ منکرین حدیث نے بھی کیا ہے۔لیکن اس جملہ سے منکرین حدیث غلط استنباط کررہے ہیں ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء اور دیگر انسان ہمیشہ دنیا میں رہنے والے نہیں ہیں اور ان آیات سے بھی یہی ثابت ہورہا ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ عیسیٰؑ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں۔اور قرب قیامت نزول فرمائیں گے۔

لہٰذا ان آیات سے صرف یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ کوئی بھی انسان دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا اس سے کہیں بھی عیسیٰؑ کی موت ثابت نہیں ہوتی۔اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہ بتارہے ہیں کہ محمد ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ہیں وہ فوت ہوچکے ہیں تو بھی عقیدہ نزول عیسیٰؑ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ کسی خاص دلیل کے مقابلہ میں کسی عام دلیل سے استدلال کرنا غلط ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ: **انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج**''۔ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے لیکن آدمؑ جو کہ دنیا کے سب سے پہلے انسان ہیں مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور عیسیٰؑ کی پیدائش نفخ روح القدس سے ہوئی ہے۔اور یہ ایک خاص دلیل سے ثابت ہے۔اگر کوئی عام دلیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ آدمؑ بھی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے کہ وہ انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کا نطفے سے پیدا کیا ہے تو وہ سو فیصد غلطی کرے گا۔اسی طرح یہ آیت تمام انبیاء علیہ السلام کی وفات کے لئے عام ہے۔لیکن عیسیٰؑ بھی نبی ہیں انکو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا ہے اور یہ بھی خاص دلیل سے ثابت ہے۔اگر کوئی عام دلیل سے ان کی وفات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھی سو فیصد غلطی کرتا ہے کیونکہ عیسیٰؑ کی حیات اور نزول خاص دلیل سے ثابت ہے۔

ان آیات میں لفظ (خلد) ہے یا جیسا کہ (**افان مت فهم الخالدون**)(الانبیاء 34/21) کہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ﷺ اگر فوت ہو گئے تو کیا یہ (خلدون) ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہیں گے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اور دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں۔ لیکن اس سے عیسیٰؑ کی موت ہرگز ثابت نہیں ہوگی پس نتیجہ یہ نکلا کہ محمد ﷺ سے پہلے انبیاء ہمیشہ دنیا میں رہنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ جس طرح آپ ﷺ وفات پا کر دنیا سے رخصت ہوئے اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء وفات پا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور عیسیٰؑ چونکہ نبی ہیں اس لئے وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ ان کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا۔

آیت فلما توفیتنی کا صحیح مفہوم اور منکرین حدیث کی خیانت

آگے منکرین حدیث نے سورۃ المائدہ کی آیت 171 (فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم) جب تو نے مجھے توفی کر لیا تو تو ان پر نگہبان تھا'' سے موت عیسیٰؑ پر استدلال کیا ہے۔ اس آیت پر گزشتہ صفحات پر ہم گفتگو کر چکے ہیں یہاں ہم صرف اس بات کا جواب دیں گے کہ جس کا منکرین حدیث نے جدید استنباط کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ (عیسیٰؑ کہیں گے) جب تک میں ان (اپنی امت) میں (زندہ) رہا ان پر باخبر تھا (عقیدہ خاتم النبین ص 22) آگے فرماتے ہیں'' اس بات کو مزید وضاحت سے درج ذیل آیت سے سمجھئے:

ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للذین اشرکو مکانکم انتم وشرکاء کم فزیلنا بینھم وقال شرکاء ھم ماکنتم ایانا تعبدون فکفی با للہ شھیدا بیننا وبینکم ان کنا عن عبادتکم لغافلین (سورہ یونس آیت 28-29)

''اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر جنہوں نے شرک کیا ہے ان سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم تم میں اور ان میں جدائی ڈالیں گے اور ان کے شریک (معبودان باطل) ان سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت کرنے والے نہ تھے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے''۔

اب دیکھئے روز قیامت سب انسان کھڑے ہوں گے جن میں سے عیسائی بھی ہوں گے اور عیسیٰؑ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے عیسیٰؑ کی گواہی بھی امت کے بارے میں یہ ہوگی کہ میں تمہاری عبادت سے بے خبر تھا یعنی میرے علم میں یہ بات نہیں کہ تم نے میری پوجا کی ہے جبکہ نزول کے بعد آپ کو قرآن سے معلوم ہوگا کہ میری امت نے مجھے حاجت روا اور الٰہ مانا ہے مجھے پکارا ہے تو اب روز قیامت کیونکر ان سے اپنی پوجا کی نفی کر رہے ہوں گے۔ کیا (نعوذ باللہ) جھوٹ بولیں گے؟ نہیں دراصل آپ قرآن کی روشنی میں وفات شدہ ہیں اس لئے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔(عقیدہ خاتم النبیین ص 25)

قارئین کرام: غور کریں منکرین حدیث کس قدر خیانت سے کام لے رہے ہیں کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا قرآن مجید میں بیان کردہ قول اپنی سوچ کے مطابق بیان کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام اس طرح کہیں گے کہ جب تک میں ان میں زندہ رہا تو ان پر باخبر تھا۔ حالانکہ آیت کا ترجمہ یوں ہوگا (مادمت فیھم) کہ جب تک میں ان میں رہا جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں (زندہ) یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اور ''شھید'' کا ترجمہ ''باخبر'' کر رہے ہیں حالانکہ اس کے معنی ''گواہ'' کے ہیں۔ پھر بھی اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کہیں گے کہ قیامت کے دن تک میں ان سے بے خبر تھا۔

اور اس کے بعد جس طرح منکرین حدیث نے جس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کی مشرکین عبادت کرتے تھے وہ قیامت کے دن کہیں گے ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ اگر معمولی عقل کا استعمال کیا جائے تو منکرین حدیث کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

منکرین حدیث نے کہا ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی گواہی بھی اپنی امت کے بارے میں یہی ہوگی کہ میں تمہاری عبادت سے بے خبر تھا چلیں ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں پھر سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی نفی نہیں ہوئی۔ کیونکہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار اس وقت تک کے لئے کر رہے ہیں جب تک ان کی امت نے ان کی عبادت کی ہوگی۔

چونکہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام قرب قیامت نزول فرمائیں گے اور یہ بات عیاں ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو عیسائیوں پر واضح ہو جائے گا کہ عیسیٰؑ الٰہ نہیں ہیں۔ اور وہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی عبادت ترک کر دیں گے کیونکہ نزول سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے بعد عیسائیوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے ہیں۔ تو اس آیت کا اصل مطلب یہی ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشرکین سے شرکاء کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے اور ظاہری بات ہے کہ شرکاء ان مشرکین سے اپنی غفلت کا اظہار اسی بات کے متعلق کریں گے جس پر مشرکین کا عمل ہوگا۔ تو شرکاء ان سے یہی کہیں گے کہ جب تک یہ لوگ شرکاء کی عبادت کر رہے تھے اس وقت ان کے شرکاء ان کی عبادت سے غافل تھے لیکن قیامت کے دن ان کی غفلت سے پردہ ہٹ جائے گا اور انہیں اس بات کا علم ہو جائے گا۔ کیونکہ مشرکین قیامت کے دن انکی عبادت کو ترک کر چکے ہوں گے۔ اور جن شرکاء کو وہ پکارا کرتے تھے ان کی عاجزی وانکساری ان کے سامنے واضح ہو جائے گی اور شرکاء ان سے براءت کا اظہار کر دیں گے۔ کیونکہ اس دن شرکاء ان کے سامنے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی حقیقت کا علم اس کے سامنے آجانے سے ہو جاتا ہے چونکہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام قیامت سے پہلے ہی لوگوں کے سامنے آجائیں گے تو اسی وقت حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام خدا یا انکے بیٹے یا معبود نہیں۔ تو عیسائی سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی عبادت نہیں کریں گے۔ سیدنا عیسٰی علیہ السلام نہ قیامت والے دن جھوٹ بولیں گے اور نہ ہی اس سے نزول سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا انکار ہوتا ہے دراصل بات صرف یہی ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں ان کی عبادت سے بے خبر تھا جب تک یہ لوگ میری عبادت کر رہے تھے۔ اور نزول سیدنا عیسٰی علیہ السلام کے بعد لوگ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی عبادت ترک کر دیں گے۔ تو ان کی عبادت سے اظہار غفلت نزول سے پہلے کے وقت کا ہوگا۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قیامت تک شرکاء کو ماننے والے ان کی عبادت کریں اور قیامت تک شرکاء کو اس کا علم نہیں ہوگا۔ اور یہی بات قرآن کی رو سے درست ہے لیکن سیدنا عیسٰی علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کا نزول خاص دلیل سے ثابت ہے لیکن اس کا انکار کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں۔ آگے منکرین حدیث لکھتے ہیں:

(حدیث ''لعن اللہ الیھود والنصاری'' سے مراد کیا ہے؟) کہ حدیث میں آیا ہے کہ: **لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذا قبور انبیاء ھم مساجد** اللہ یہود و نصاری پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ (بخاری ص 771)

وضاحت: نصاری وہ لوگ ہیں جو عیسٰیؑ پر ایمان لائے تھے اب عیسٰیؑ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں گزرے۔ جب نصاری میں بعد میں شرک در آیا تو اپنے نبی جو فقط عیسٰیؑ تھے کی قبر کو پوجنے لگے تو گویا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درج بالا حدیث میں عیسیٰؑ کی قبر کا ذکر بھی ہوا۔

مفسر ابن کثیر: سورہ کہف کی آیت 81 کے تحت ایک حدیث لکھتے ہیں کہ(**لو کان موسی وعیسیٰ حیین ماوسعھا الااتباعی**)اگر بالفرض موسیٰ وعیسیٰ (میری دوران زندگی) زندہ ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے چارہ نہ ہوتا۔ابن کثیر نے اس روایت کو(بقول منکرین حدیث کے)حضرت عیسیٰؑ کی وفات پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔اورآیت **وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد** ..الخ آپ سے پہلے ہم نے کسی کو ہیشگی نہیں دی۔اگرکسی نے یہ مطلب لیا ادھر نبی ﷺ پیدا ہوئے یا نبوت ملی ادھر جتنے انسان آپ کی پیدائش سے پہلے یا نبوت سے پہلے موجود تھے وہ سب کے سب مرگئے سوائے نبی ﷺ کے کوئی بھی آدمی زندہ نہ رہا تو ایسے شخص نے قرآن میں زبردستی خیانت کی کیوں کہ آگے ہے۔**افان مت فھم الخالدون**''۔پس اگر آپ وفات پاگئے تو کیا وہ (آپ کے دور کے موجودہ لوگ) ہمیشہ زندہ رہیں گے۔بلکہ ان کو بھی مرنا ہے۔بات صاف ہوئی کہ عیسیٰؑ قرآن وحدیث کی روشنی میں وفات پاگئے۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 27-26)

منکرین حدیث صحیح بخاری کی اس حدیث'' **لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد** ''.اللہ یہود ونصاری پرلعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا۔سے وفات عیسیٰؑ ثابت کرر ہے ہیں جوکہ ان کی صریح غلطی ہے۔امام صنعانی صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

" وقد استشکل ذالک لان النصاری لیس لھم نبی الاعیسیٰؑ اذلانبی بینہ وبین محمد ﷺ وھو فی السماء واجیب بانہ کان فیھم انبیاء غیر مرسلین کاالحواریین ومریم فی قول وان المرادمن قولہ انبیاء المجموع من الیھود والنصاری اوالمراد الانبیاء وکبار اتباعھم واکتفی بذکر الانبیاء ویؤ ید ذالک قولہ فی روایۃ مسلم "کانو یتخذون قبور انبیاء ھم وصالحیھم مساجد " ولھذا لما أفرد النصاری کمافی حدیث عائشہ "کانوا اذامات فیھم الرجل الصالح بنوا علی مسجدا وفیہ اولئک شرارالخلق ".

اس حدیث میں نصاری کے ذکر سے اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ نصاری کے صرف سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی اور نبی نہیں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں تو اس کا (ایک) جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں کچھ ایسے انبیاء تھے جو رسل نہیں تھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ حواریین اور مریم علیہ السلام وغیرہم ایک قول کے مطابق اور ''انبیاءھم'' سے مراد یہود ونصاری کے مجموعہ ہی ہیں یا اس سے مراد ان نبیوں کے اتباع ہیں اور حدیث نے صرف انبیاء کے ذکر پر اکتفاء کیا اور اس کی تائید صحیح مسلم کی دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ وہ لوگ (یعنی نصاری) نے نیک وصالح لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔اس لئے نصاری کو منفرد ذکر کیا گیا ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب ان نصاری کے درمیان کوئی صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیتے اور اسی حدیث میں ہے کہ وہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔

اور آگے مزید فرماتے ہیں:

واحسن من هذا ان يقال انبياء اليهود انبياء النصارى لان النصارى مامورون بالايمان بكل رسول مرسل بنى اسرائيل ويسحون انبياء فى حق الفريقين.(سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد8ص318)

ان سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جو انبیاء یہود کے ہیں وہی نصاری کے ہیں کیونکہ نصاری ہر رسول پر ایمان لانے کے لئے مامور ہیں پس رسل بنی اسرائیل دونوں فریقوں (یہود ونصاری) کے حق میں انبیاء کہا جاتا ہے (کیونکہ بنی اسرائیل میں یہود ونصاری دونوں شامل ہیں۔) اگر یہ کہا جائے کہ نصاری بنی اسرائیل میں شامل نہیں تو (نعوذ باللہ) قرآن کریم کا انکار ہوجائے گا جو کہ صریح کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے'' **واذقال عيسى ابن مريم يا بنى اسرائيل انى رسول الله اليكم** ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔(الصف 6/61) آیت وضاحت کررہی ہے کہ عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے۔

اور نصاری کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پس یہ تو ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل یہود ونصاری دونوں ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی طرف بے شمار رسول مبعوث ہوئے اور حدیث میں یہی رسل وانبیاء مراد ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے'' **وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم**''(النساء 157/4) نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پہ چڑھایا بلکہ ان کے لئے ان کا شبیہ بنادیا گیا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰؑ نہ قتل کئے گئے اور نہ ہی سولی چڑھائے گئے بلکہ یہود نے ان کے دھوکے میں کسی اور شخص کو قتل کردیا اور اللہ رب العالمین نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اور سالم آسمان پر اٹھالیا۔ اگر حدیث سے قبر بھی ثابت ہوجائے تو اس سے مراد اسی شخص کی قبر ہے جس کو یہود نے قتل کیا لیکن یہود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ونصاری اس بات سے بے خبر تھے اس لئے اسی کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا ہوگا اس گمان میں کہ وہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کی قبر ہے۔منکرین حدیث نے تفسیر ابن کثیر کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے کہ ''موسی وعیسٰی زندہ رہتے تو انہیں بجز میری تابعداری کے کوئی چارہ نہ ہوتا۔اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

منکرین حدیث نے اپنی اس کتاب میں صحیح بخاری کی احادیث پر طعن کیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا اور اس کی سند کو غیر صحیح کہا ہے جو کہ ان کی غلط بیانی ہے۔اور اسے قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا ہے لیکن یہاں اس روایت سے استدلال کر رہے ہیں جس کی سند کا کچھ اتا پتا نہیں ہے اور یہ قرآن کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ قرآن سے عیسٰیؑ کا آسمان پر زندہ ہونا ثابت ہے۔جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ منکرین حدیث کو حدیث صحیح یا ضعیف ہونے سے کوئی سروکار نہیں بس حدیث ان کے اپنے مطلب کے مطابق ہونی چاہئیے چاہے وہ موضوع ومن گھڑت ہی کیوں نہ ہو اور یہی باطل پرستوں کا طریقہ کار رہا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت ورسالت کی موجودگی میں اگر کوئی نبی آجائے تو وہ ان کا متبع اور ان کا امتی بن کر رہے گا۔اور یہ بات منکرین حدیث کے نظریہ کے خلاف ہے کہ نبی کو امتی کہنا درست نہیں۔لیکن منکرین حدیث نے حدیث سے ثابت ہونے والے اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیا۔اور صرف اپنے مطلب کی بات اخذ کر کے اسے وفات سیدنا عیسٰی علیہ السلام پر دلیل بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

تنبیہ:۔مذکورہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں،لیکن صرف موسیٰؑ کے ساتھ ثابت ہے یعنی اسی طرح ثابت ہے ''لو کان موسی حیا'' لیکن یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ورافضی ہے۔

منکرین نزول عیسٰی علیہ السلام اور مرزائیوں میں مماثلت

منکرین حدیث میں سے ھادی صاحب نے کچھ اس طرح کا عنوان اپنی کتاب میں قائم کیا ہے اور زبردستی قائلین نزول مسیح کے عقائد وفرمودات کو قادیانی گروہ کے عقائد وفرمودات سے تشبیہ دینے کی کوشش کی ہے۔جو کہ سراسر غلط ہے۔اور منکرین حدیث نے خیانت اور دھوکا بازی سے کام لیا ہے جس کے چند نمونے میں آپ کے سامنے ذکر کرونگا۔

1)خاتم النبین کے الفاظ میں دونوں فریق گڑبڑ کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

2) قادیانی کہتے ہیں کہ ہمارا نبی غیر تشریعی ہے نزول کے قائلین بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نئی شریعت نہیں بلکہ غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 29)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانی خاتم النبین کے الفاظ میں گڑ بڑ کرتے ہیں۔لیکن یہ کہنا کہ قائلین عیسٰی علیہ السلام بھی خاتم النبین کے الفاظ میں گڑ بڑ کرتے ہیں غلط ہے اور منکرین حدیث کی خیانت ہے کیونکہ خاتم النبین کے الفاظ میں ہم گڑ بڑ نہیں کرتے بلکہ جو لوگ نزول عیسٰی علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں وہی لوگ خاتم النبین کے الفاظ میں گڑ بڑ کرتے ہیں۔جیسا کہ ھادی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ خاتم وہ نہیں جس سے مہر لگائی جائے۔آگے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ'' **الیوم نختم علی افواھھم** '' آج ان کے موہوں پر مہر لگا دیں گے۔یعنی جب تک ان کے دلوں پر مہر ہے وہ منہ سے بات نکال سکیں گے (عقیدہ خاتم النبین ص 2) ایک جگہ منکرین حدیث یہ کہہ رہے ہیں اور دوسری جگہ آپ ﷺ کو مہر لگانے والا ثابت کر رہے ہیں۔حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ مہر ہیں اور مہر لگنے سے معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔اس لئے آپ نبیوں کو ختم کرنے والے ہوئے اور یہ مہر خدا کی طرف سے لگائی گئی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ مہر لگانے والا ہوا۔اور رہی یہ بات کہ قائلین نزول عیسٰی علیہ السلام قادیانیوں کی طرح عیسیٰؑ کو غیر تشریعی نبی کہتے ہیں تو یہ منکرین حدیث کا قائلین نزول عیسٰی علیہ السلام پر افتراء والزام ہے۔منکرین حدیث بغیر حوالہ کے بات کر رہے ہیں لہٰذا ان کی بات غیر معتبر ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کا نزول بطور امتی کے ہوگا۔نہ کہ غیر تشریعی نبی ہوں گے۔پس یہ کہ قادیانی اور منکرین ختم نبوت کی ہم سے کوئی مماثلت نہیں۔

ھادی صاحب نے تخمینی باتیں کی ہیں بغیر حوالے کے کی ہیں لیکن ہم بحوالہ یہ ثابت کریں گے کہ قادیانی ومنکرین نزول عیسیٰؑ کے درمیان گہری مماثلت ہے۔بلکہ اس عقیدہ میں یہ دونوں فریق ایک ہی ہیں۔

1) منکرین نزول عیسٰی علیہ السلام روایات سے نزول عیسٰی علیہ السلام کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیتے ہیں جیسا کہ ھادی صاحب نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے دیکھئے: (عقیدہ خاتم النبین ص 17) مرزائی قادیانی بھی احادیث نزول عیسٰی علیہ السلام کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔جیسا کہ مرزائی ہفت روزہ'' پیغام صلح'' کے مدیر اس حدیث اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میری اتباع چارہ نہ تھا۔کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' یہ قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے خلاف ہے اس لئے اس کو رسول کریم ﷺ کا قول تسلیم نہیں کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاسکتا۔(پیغام صلح 18دسمبر1968)

2) منکرین نزول عیسٰی علیہ السلام آیت ''متوفیک'' کے معنی ممیتک لیتے ہیں جیسا کہ منکرین نے لکھا ہے کہ ''توفیک کے معنی وفات اورروح قبض کرنے کے ہیں جب متوفیک بمعنی ممیتک ہے۔(عقیدہ خاتم النبین ص10)

یہ لوگ وفات عیسٰی علیہ السلام کے قائل ہیں اسی طرح مرزائی بھی متوفیک کے معنی ممیتک یعنی موت یا وفات دینے والا کرتے ہیں اور وفات عیسٰی علیہ السلام کے قائل ہیں۔(پیغام صلح یکم جنوری1949)

3) منکرین نزول عیسٰیؑ کہتے ہیں کہ نزول عیسٰیؑ ختم نبوت کے منافی ہے جیسا کہ ھادی صاحب نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے (عقیدہ خاتم النبی ص4) مرزائی وقادیانی بھی نزول عیسٰیؑ کو ختم نبوت کے منافی کہتے ہیں جیسا کہ لاہوری مرزائی ہفت روزہ ''پیغام صلح'' صفحہ 4 نے 14اپریل1969 کی اشاعت میں لکھا ہے۔

''پھر عیسٰیؑ کو آسمان سے اتارنا کس قدر مضحکہ خیز ہے اور امت محمدیہ کی کتنی بڑی ھتک اور ختم نبوت کے منافی ہے''۔

4) منکرین نزول مسیح عیسٰیؑ کی وفات کو ثابت کر کے قرب قیامت انکے دوبارہ آنے کا سرے سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ ھادی صاحب نے اپنی اس پوری کتاب میں کہا ہے اور مرزائی بھی وفات عیسٰیؑ کو مانتے ہیں اور عیسٰیؑ کا دوبارہ آنے کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ مدیر ''صلح پیغام'' نے لکھا ہے کہ قرآن کریم نے صریح الفاظ میں وفات مسیح کا اعلان اور مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا انکار کر رہا ہے۔(پیغام صلح یکم فروری1969)

قارئین کرام حقیقت آپ کے سامنے ہے۔کہ قادیانیوں کے ساتھ کس کی مماثلت ہے میرے خیال میں بالکل واضح ہوگیا ہوگا۔

ایک طرف ھادی صاحب نے جو بغیر کسی حوالہ کے ہم کو قادیانیوں سے تشبیہ دے رہے ہیں۔لیکن یہ صرف ان کی دھوکہ دہی ہے ورنہ وہ حوالے سے بات کرتے۔اور ہم نے بحوالہ آپ کے سامنے اظہر من الشمس کی طرح یہ بات ثابت کردی کہ قادیانی اور منکرین نزول عیسٰی علیہ السلام ایک ہی ہیں۔

اب فیصلہ آپ کر سکتے ہیں کہ کون حق پر ہے؟ اور بقول موصوف کے استاد ڈاکٹر عثمانیہ کے: فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں ہے''۔

صحیح بخاری کی احادیث نزول عیسٰی علیہ السلام پر اعتراضات اور اس کے جوابات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ھادی صاحب صحیح بخاری کی حدیث پر طعن کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: کسی روایت میں ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو امامت کرائیں گے اور کسی میں ہے کہ امامت سے انکار کریں گے کسی روایت میں ہے ''یضع الحرب'' جنگ کو موقوف کریں گے کسی میں ہے ''یضع الجزیہ'' جزیہ کو موقوف کریں گے متن میں اضطراب کے ساتھ ساتھ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ سورہ توبہ میں آیا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ (سورہ توبہ آیت 29) تو معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جہاد و جزیہ کو ختم نہیں کرا سکتے۔ اس لئے یہ روایت خلاف قرآن ہے۔

2) ان روایات میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر سارے اہل کتاب ایمان لائیں گے قرآن کی آیت سے ایسا نتیجہ اخذ کرنا جو دوسری آیت سے ٹکرائے غلط ہے قرآن میں یہودیوں کے بارے میں آیا ہے:

والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ (المائدہ آیت 64)

اور ہم نے ان کے درمیان بغض و عداوت قیامت کے دن تک ڈال رکھی ہے۔

عیسائیوں کے بارے میں آیا ہے:

''فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ'' (المائدہ آیت 14)

اور ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک ڈال رکھی ہے۔

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامہ

اور تیرے پیروں کاروں کو قیامت کے دن تک کافروں پر فائق رکھنے والا ہوں۔ (سورہ آل عمران آیت 55)

ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین. الا من رحم اللہ.

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ (سورہ ھود آیت 119-118)

ومایؤ من اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (یوسف آیت 106)

اور ان لوگوں کی اکثریت اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی مشرک ہے۔

ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یکونوا مؤمنین (یونس آیت99)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مؤمن ہو جائیں۔

درج بالا آیات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ قیامت کے دن تک کافر بھی رہیں گے تو اب کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ ایسا وقت آئے گا کہ سارے اہل کتاب ایمان لائیں گے۔

ایسا سمجھنے والا قرآن میں تضاد پیدا کرتا ہے تو بات بالکل واضح ہے کہ عیسیٰؑ آئیں گے اور لوگ (اہل کتاب) سارے ایمان لائیں گے قرآن کی روشنی میں غلط ہے۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 18-17-16)

ازالہ:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے مفہوم سے منکرین حدیث کا انحراف

صحیح بخاری جو کہ **اصح الکتب بعد کتاب اللہ**(1) اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے اس کی احادیث پر طعن کرنا امت کے اس اجماع کا انکار کرنا ہے جو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت کے متعلق ہے کہ دونوں کتابوں میں تمام تر احادیث صحیح ہیں۔ قارئین کرام: جن احادیث پر طعن کیا جا رہا ہے وہ سو فیصد صحیح ہیں۔

ھادی صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں متعارض ہیں جبکہ یہ بات دن کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ صحیح احادیث کے مابین تعارض مستحیل ہے۔

اور جہاں تک بات ہے عیسیٰ علیہ السلام کا امامت کروانا یا نہ کروانا تو اس کا جواب اور ان احادیث کی تطبیق کے لئے مجلۃ جامع ابی بکر شعبان 1428ھ کا مطالعہ کیجئے اس مجلّہ میں ہم ھادی صاحب کی کتاب ''دجال کے کارنامے'' کا جواب بسلسلہ قسطوار شروع کیا ہے۔ **فلینظر نیہ**'' نیز ملاحظہ فرمائیں ''مجلّہ دفاع اسلام شمارہ نمبر 2 جنوری 2009'' اور رہی بات کہ عیسیٰ علیہ السلام جہاد اور جزیہ کو ختم کریں گے تو اس کا ذکر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں کیا ہے:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ میں میری جان ہے وہ وقت قریب ہے کہ تمہارے درمیان عیسیٰ بن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور حرب (جنگ کو روک دیں گے) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جزیہ کو بھی روک دیں گے۔(صحیح بخاری مع فتح الباری جلد 6حدیث 3448)

---

1) اصح الکتب سے مراد کیا ہے راقم کی کتاب ''فضل الباری دفاع عن صحیح البخاری'' کا مطالعہ اس مسئلہ کے لئے مفید ہوگا۔ان شاء اللہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام اپنی طرف سے یہ امور انجام نہیں دیں گے بلکہ اللہ کے نبی (ﷺ) اس حدیث میں اشارۃ یہ حکم دے رہے ہیں کہ جنگ و جزیہ کو بعد از نزول عیسیٰؑ انہی کے ہاتھوں روک دیا جائے گا۔لہٰذا عیسٰی علیہ السلام اللہ کے نبی (ﷺ) کے امتی اور ان کے متبع ہوں گے نہ وہ اس شریعت میں زیادتی کریں گے بلکہ وہ لوگوں کے درمیان قرآن وسنت کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے:

مثال کے طور پر کسی شخص کے گھر پر کوئی مہمان تشریف لاتا ہے وہ شخص مہمان نوازی کے بعد (جب مہمان جانے لگتا ہے) اس مہمان کو کہتا ہے کہ میرا ڈرائیور تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دے گا جب وہ مہمان اپنے گھر واپس لوٹنے لگتا ہے تو ڈرائیور اس مہمان کو اس کے گھر تک پہنچا دیتا ہے۔

اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ڈرائیور نے مہمان کو اپنی مرضی سے اس کے گھر تک نہیں پہنچایا بلکہ اس شخص نے ایک جملہ کہا تھا۔کہ میرا ڈرائیور مہمان کو اس کے گھر تک پہنچا دے گا۔تو جس طرح اس جملہ میں اشارۃ ڈرائیور کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ مہمان کو گھر تک چھوڑ دے۔تو اسی طرح حدیث میں بھی عیسٰی علیہ السلام کو اشارۃ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ جزیہ اور جہاد کو ختم کر دیں۔پس اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عیسٰی علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر آئیں گے۔اور نہ یہ حدیث قرآن کی کسی آیت کے خلاف ہے کہ جس میں اللہ رب العالمین اہل ایمان کو حکم دے رہے ہیں کہ اہل کتاب سے جزیہ اخذ کرو۔(سورۃ التوبہ 29/9)

امام نووی فرماتے ہیں:

''ومعنی وضع عیسیٰؑ الجزیة مع انها مشروعیتها مقیده بنزول عیسی لمادل علیه هذا الخبر ولیس عیسی بناسخ لحکم الجزیة بل نبینا (ﷺ) هو المبین للنسخ لقوله هذا فان عیسی علیه السلام یحکم شرعنا فدل علی ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الامتناع من قبول الجزية فى ذلك هو شرع نبينا محمد (ﷺ)

(ذكرها حافظ ابن حجر بلفظ ابن حجر فى فتح البارى جلد 6صفحه 601وانظر شرح صحيح مسلم للنووى جزء 2ص191)

''سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا جزیہ کو روکنا باوجود اس کے کہ جزیہ اس شریعت میں مشروع ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی مشروعیت نزول عیسیٰ تک مقید ہے جیسا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔اور عیسٰی علیہ السلام حکم جزیہ کو منسوخ نہیں کریں گے۔

بلکہ ہمارے نبی اس کے نسخ کو بیان کر رہے ہیں اپنے اس فرمان سے یقیناً عیسٰی علیہ السلام ہماری شریعت (قرآن وسنت) کے مطابق فیصلہ کریں گے (یعنی کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ وہ ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے) پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ (بعد از نزول عیسی علیہ السلام) جزیہ کا منع ہونا ہمارے نبی (ﷺ) کے حکم سے ہے۔تو معلوم ہوا کہ حرب و جزیہ کی مشروعیت عیسٰیؑ کے نزول تک ہے۔

اور یہ تقید اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے ہے۔عیسٰی علیہ السلام صرف اس پر عمل پیرا ہوں گے لہٰذا یہ روایت نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ ہی کوئی صاحب بصیرت اس کو قرآن کے خلاف کہہ سکتا ہے۔اور تمام اہل کتاب کا عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لانا قرآن کی کس آیت کے خلاف ہے؟ یہ قرآن کی آیت سے ہی ثابت ہے جس کی بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جو قرآن کی آیت ھادی صاحب نے اپنے موقف کے لئے پیش کی ہیں ان آیات کا جائزہ لیا جائے تو بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے اور ھادی صاحب کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

1) **فاغرينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة** (المائدہ14/5) تو ہم نے بھی ان کے درمیان آپس میں بغض وعداوت ڈال دی جو تا قیامت تک رہے گی اسی طرح المائدہ آیت 64 میں بیان ہوا ہے۔اس آیت سے ھادی صاحب استدلال کر رہے ہیں کہ اہل کتاب قیامت تک کافر رہیں گے لہٰذا تمام اہل کتاب کا عیسٰیؑ پر ایمان لانا غلط ٹھہرا۔حالانکہ ان آیات سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل کتاب عیسٰی علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہیں لائیں گے اور بغض وعداوت کا ایمان لانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آج امت مسلمہ کے حالات کو دیکھا جائے تو ان کے درمیان آپس میں بغض وعداوت پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام لوگ ایمان لائیں ہیں اور مسلمان ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان آپس میں بغض وعداوت موجود ہے۔تو اسی طرح اہل کتاب کا ایمان لانے سے ان کے آپس میں بغض وعداوت کی نفی نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی۔

2) یہ کہ اہل کتاب عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائیں گے تو اس سے ان کا ایمان لانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اہل کتاب میں سے نصاری عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں (العیاذ باللہ) اور بہت سے لوگ (العیاذ باللہ) ان کو خدا مانتے ہیں۔

لیکن جب عیسٰی علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو ان کے سامنے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور وہ اس بات پر ایمان لائیں گے یعنی یقین کریں گے۔ اور یہود سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل کر دیا یا سولی پر چڑھا دیا تو بعد نزول عیسٰی علیہ السلام ان پر بھی بات کھل کر سامنے آجائے گی۔

پس وہ بھی ان کی عبدیت و رسالت کو تسلیم کریں گے کہ عیسٰیؑ ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اللہ کے بندے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ:

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب عیسٰیؑ بحیثیت امتی دوبارہ تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ عیسٰیؑ نبی بن کر نہیں آئیں گے کہ اہل کتاب ان پر ایمان لا کر راہ نجات حاصل کریں۔

بلکہ اہل کتاب کا ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی اس نبوت پر ایمان لائیں گے جو اللہ رب العالمین نے ان کو محمد ﷺ سے 570 سال پہلے عطاء کی تھی کہ وہ اللہ کے نبی بن کر آئے تھے نہ کہ وہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے۔ اور پھر اہل کتاب اس پر ایمان لائیں گے اس وقت تو وہ ایک امتی ہوں گے۔ اور وہ ان پر ایمان لانے سے مسلمان نہیں ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب بھی بہت سے ایسے عیسائی موجود ہیں جو ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتے ہیں۔ تو کیا وہ مسلمان ہیں؟ لہٰذا اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ عیسٰیؑ خاتم النبیین ہیں؟ بلکہ اس طرح کہنا کفر ہے اور نہ ہی عیسٰیؑ اہل کتاب سے کہیں گے کہ وہ ان پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایمان لائیں۔

''ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولایزالون مختلفین''.

(سورہ ھود آیت118)

''اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر کر دیتا وہ برابر اختلاف کرنے ہی والے رہیں گے۔

اس آیت پر غور کیا جائے تو یہ آیت بھی کسی طرح اہل کتاب کے عیسیٰؑ پر ایمان لانے کے خلاف نہیں نظر آئے گی اور نہ ہی اس سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ عیسیٰؑ کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔

معلوم نہیں ھادی صاحب کیوں آیت قرآنی میں تضاد پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اختلاف ہونا یا اختلاف کرنا یا لوگوں کا اختلاف میں رہنا الگ بات ہے اور عیسیٰؑ پر ایمان لانا الگ بات ہے اگر کوئی شخص ان دونوں آیتوں کو متعارض کہے تو یہ اس کا جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

کوئی بھی صاحب عقل ان دونوں باتوں کو متعارض نہیں کہے گا اور اس کے علاوہ جتنی بھی آیتیں ھادی صاحب نے پیش کی ہیں یہ ھادی صاحب کے بیان کردہ موضوع سے غیر متعلقہ ہیں ان آیات میں جو بیان ہوا ہے اس کا اس بیان کردہ موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قارئین کرام آپ خود ہی ان آیتوں کا بغور مطالعہ کریں۔ اور پھر اس آیت سے تقابل کریں جس میں اہل کتاب کا عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے ایمان لانے کا ذکر ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ فیصلہ آپ کے اوپر چھوڑتا ہوں غور وفکر کے بعد آپ کو بخوبی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ھادی صاحب نے کس قدر خیانت کی ہے۔

بخاری کی اسناد احادیث پر جرح اور اس کا ردّ:۔

ھادی صاحب رقمطراز ہیں: اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ نزول کی روایات متن کے لحاظ سے قرآن کے خلاف نہیں اب اسناد پر کلام کرنے کی کوئی خاص حاجت تو نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث میں ہے کہ جس حدیث کا متن قرآن کے خلاف ہو اس کی سند سورج کی طرح چمک رہی ہو تب بھی حدیث قابل رد ہے۔ (المنار المنیف) لیکن اگر دیکھا جائے تو راویوں پر بھی کلام ہے۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 78)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ھادی صاحب اصول حدیث کی بات کررہے ہیں لیکن اس سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہاں پر ھادی صاحب یہ اصول پیش کررہے ہیں کہ کسی حدیث کی سند سورج کی طرح چمک رہی ہو لیکن وہ متن کے لحاظ سے قرآن کے خلاف ہو تب بھی وہ حدیث تسلیم نہیں کی جائے گی۔ اور حوالہ دے رہے ہیں ابن القیمؒ کی کتاب (المنار المنیف) کا یہ اتنا بڑا دھوکہ ہے کہ اگر کوئی شخص المنار المنیف کو کھول کر نہ دیکھے اور ھادی صاحب کے حوالہ پر اعتماد کرے تو اس کے گمراہ ہونے میں شبہ نہیں ہوگا۔ اگر المنار المنیف کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ھادی صاحب کتنے خائن ہیں۔

المنار المنیف کو پورا پڑھ لیا جائے تو تب بھی یہ بات کہیں نہیں ملے گی کہ کسی حدیث کی سند سورج کی طرح چمکتی ہو لیکن متن قرآن کے خلاف ہو تو حدیث مردود ہے۔ یہ ھادی صاحب کے خود ساختہ الفاظ ہیں جنہیں انہوں نے حافظ ابن القیمؒ کی طرف منسوب کردیئے تاکہ اس کی آڑ میں صحیح احادیث کا انکار کرسکیں (اللہ انہیں ہدایت دے) اور ان کے دل میں احادیث رسول ﷺ کی محبت کو اجاگر کرے۔ آمین

اب ہم آپ کے سامنے ''المنار المنیف فی الصحیح والضعیف'' کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

''ونحن ننبه على امور كلية يعرف بها كون الحديث موضوعا''(المنار المنیف ص47)

اور اب ہم ان امور کی طرف متنبہ کریں گے جن سے موضوع (من گھڑت) حدیث کی پہچان ہوجائے۔

موضوع حدیث کی تعریف:

''الموضوع هوالخبر الذى يختلف الكذابون وينسبونه الى رسول الله ﷺ افتراء عليه'' (علوم الحدیث ومصطلح للصبحی الصالح ص 283۔وانظر تدریب الراوی ص 244)

موضوع اس خبر کو کہتے ہیں جس کو کذابین (جھوٹے راوی) اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ کر ان کی طرف منسوب کردیں۔ اس تعریف سے وضاحت ہوتی ہے کہ موضوع حدیث سند سے ہی موضوع ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ جو راوی ثقہ اور صحیح ہوتے ہیں اور سچے ہوتے ہیں یا محدثین کی شرائط کے مطابق ہوتے ہیں ناممکن بات ہے کہ وہ کسی ایسی بات کی نسبت رسول اللہ ﷺ کرتے۔اور نہ وہ حدیثیں وضع کرتے ہیں (یعنی گھڑتے ہیں) لیکن جو راوی حدیث گھڑتا ہے وہ صحیح یا ثقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ وہ محدثین کی اصطلاح میں وضاع یا کذاب (جھوٹا) کہلاتا ہے۔جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ صحیح سند اور علتوں سے پاک حدیث موضوع نہیں ہوسکتی۔

المنار المنیف لابن قیم رحمہ اللہ

اب یہاں پر حافظ ابن القیم موضوع احادیث (جو سند کے اعتبار سے موضوع ہیں) کی پہچان بتا رہے ہیں۔آگے مزید پہچان کی علامت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں''**منھا مخالفة الحدیث صریح القرآن**'' کہ موضوع حدیث کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ صریح قرآن کے خلاف ہوتی ہے۔یہ عبارت ''**المنار المنیف**'' کی اصل عبارت ہے جس کو ھادی صاحب نے اپنے ذہن کے مطابق بنا کر پیش کیا ہے۔اگر اس عبارت پر غور کریں تو صرف اس کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ موضوع و من گھڑت (جو کہ سند کے لحاظ سے موضوع ہو) کی پہچان یہ ہے کہ وہ قرآن کے خلاف ہوتی ہے۔نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد کر دیا جائے۔کیونکہ صحیح حدیث کبھی بھی قرآن کے خلاف ہوتی ہی نہیں ہے۔یہی مقصد ہے حافظ ابن القیم کا۔

آگے ھادی صاحب حدیث کی سند پر اعتراض کرتے ہوئے رقمطراز ہیں''پہلی روایت کی سند:

حدثنا اسحاق اخبرنا یعقوب ابن ابراھیم ثنا ابی عن صالح عن ابن شھاب أن سعد ابن المسیب سمع اباھریرة (صحیح بخاری جلد 8 ص 296)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس پرودگار کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔وہ زمانہ قریب ہے کہ مریم علیہا السلام کے بیٹے حضرت عیسٰی علیہ السلام تو لوگوں میں عادل حاکم ہو کر اتریں گے اور صلیب کو توڑ ڈالیں گے سور کو مار ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کر دیں گے ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا۔۔۔الخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اسحاق) اب دیکھئے درج بالا حدیث میں امام بخاری نے اسحاق کا ذکر بغیر ولدیت کے کیا ہے۔امام بخاری کئی اسحاق سے روایت لیتے ہیں اب بعد کے لوگوں نے اسے اسحاق بن راھویہ قرار دیا جبکہ سند کی جہالت اپنی جگہ برقرار ہے اگر بقول لوگوں کے اسے وہی ابن راھویہ قرار دیا جائے تو وہ (اختلط فی آخرہ عمرہ) آخری عمر میں سٹھیا گیا تھا۔اب اس کے ایک روای کو محدثین منکر قرار دیتے ہیں تو اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ:

"ولاریب ان اسحاق کان یحدث الناس من حفظہ فلعلھا اشتبہ علیہ" (میزان الاعتدال جلد17ص183)

اور یقینی بات ہے کہ اسحاق لوگوں کا اپنی یاداشت سے حدیث سناتے تھے تو شاید روایت بھی اس طرح مشتبہ ہوئی ہو تو معلوم ہوا کہ اسحاق کو حدیث بیان کرنے میں اشتباہ پڑتا تھا۔

"ابراھیم سعد .سمعت ابی یقول ذکر عند یحی ابن سعید عقیل وابراھیم ابن سعد فجعل کانہ یضعفھا .یقول عقیل وابراھیم ...وساق لہ ابن عدی عدۃ غرائب عن الزھری مما خولف اسنادھا یبدل تابعیا باخر .وکان یجوز الغناء بالعود" (میزان جلد1ص34)

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے سنا کہ یحی ابن سعید کے عقیل وابراھیم کا ذکر کیا گیا تو گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے عقیل وابراھیم۔ابن عدی نے اس کے چند غرائب یعنی نادر روایات جو زہری سے لی ہیں بیان کی ہیں کہ وہ اسناد میں ادل بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتا (یعنی سند میں گڑبڑ کرتا) اور رباب وباجے کے ساتھ گانے کو جائز سمجھتا (گویا کہ قوال تھا) الزھری کان یدلس فی النار (میزان جلد6ص60) بعض اوقات تدلیس کیا کرتا تھا۔(عقیدہ خاتم النبیین ص8-19)

اگرچہ امام بخاری نے اسحاق کا نام بغیر ولدیت کے ذکر کیا ہے لیکن امام بخاری نے کسی ایسے اسحاق نامی شخص سے صحیح بخاری میں روایت نہیں لی جو مجہول ہو۔ھادی صاحب کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری کئی اسحاق سے روایت لیتے ہیں اور یعقوب سے کئی اسحاق روایت لیتے ہیں اب بعد کے لوگوں نے اسے اسحاق بن راھویہ قرار دیا جبکہ سند کی جہالت اپنی جگہ برقرار ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ھادی صاحب کی واضح خیانت ہے۔یعقوب بن ابراھیم صرف دو اسحاق نامی راوی سے روایت لیتے ہیں۔

(1)اسحاق بن راھویہ(2)اسحاق بن منصور الکوسج (تھذیب الکمال جلد 32ص 309)

اور یہ دونوں ثقہ اور حدیث کے امام ہیں (دیکھئے تھذیب التھذیب ص 236۔266 اور امام بخاری ان دونوں سے روایت لیتے ہیں (ایضاً 236۔266) لہٰذا یہاں سند کی جہالت برقرار نہیں بلکہ ھادی صاحب کی جہالت برقرار ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"قوله حدثنا اسحاق هوابن ابراهيم المعروف بابن راهويه وانما جزمت بذالک مع تجويز ابی علی الجيانی ان يكون هو اواسحاق بن منصور لتغييره لقوله اخبرنا يعقوب بن ابراهيم لان هذه العبادة يعتمد بها اسحاق بن راهويه كما عرف بالاستقراء من عادته انه لا يقول الا "اخبرنا" ولايقول حدثنا وقد اخرج ابو نعيم فی المستخرج . هذاالحديث من مسند اسحاق ابن راهويه وقال اخرجه البخاری من اسحاق" (فتح الباری جلد6ص 600)

حدثنا اسحاق سے مراد ابن ابراھیم ہیں جو ابن راھویہ کے نام سے معروف ہیں۔

اور ابوعلی الجیانی کی تجویز کے ساتھ بصیغہ جزم وارد ہوا ہے کہ وہ (اسحاق بن راھویہ) ہو یا اسحاق بن منصور ہو ان کے اس قول "**اخبرنا يعقوب بن ابراهيم**" کی تعبیر کے سبب کیونکہ یہ عبارت أخبرنا (اخبرنا) اسحاق بن راھویہ کے نزدیک معتمد تھی جیسا کہ ان کی عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "اخبرنا" کے علاوہ "حدثنا" وغیرہ نہیں کہتے ہیں اور اس حدیث کی تخریج ابونعیم نے "المستخرج" میں کی ہے۔اور کہا ہے کہ یہ حدیث مسند اسحاق بن راھویہ سے ہے اور (مزید) کہا ہے امام بخاری نے بھی اسے امام اسحاق بن راھویہ سے بیان کیا ہے۔

بات بالکل چمکتے ہوئے سورج کی طرح روشن ہے کہ اسحاق سے مراد اسحاق بن راھویہ ہے لہٰذا سند میں جہالت کہنا ھادی صاحب کی خود کی جہالت ہے۔اور اسحاق بن راھویہ کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں "**اسحاق احد الائمة ثقة مأمون**" (تھذیب التھذیب جلد 1ص 239) اسحاق اماموں میں سے ایک امام ہیں ثقہ اور معتبر ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور رہی بات کہ اسحاق بن راھویہ آخر میں اختلاط وتغیر کا شکار ہوگئے تھے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ آجری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوداؤدؒ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راھویہ کے حافظے میں ان کی موت سے پانچ مہینے پہلے تغیر واقع ہوگیا تھا۔(تھذیب التھذیب جلد 1ص 237)

اور اسحاق بن راھویہ اس حدیث کو یعقوب بن ابراھیم سے بیان کررہے ہیں اور یعقوب بن ابراھیم کی وفات 208ھ میں واقع ہوئی ہے۔جبکہ اسحاق بن راھویہ نے 238ھ میں میں وفات پائی ہے۔جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسحاق ابن راھویہ کا سماع یعقوب بن ابراھیم سے تغیر واقع ہونے سے کافی عرصے قبل ہوا ہے۔لہٰذا ھادی صاحب کی جرح مردود ہے۔آگے اپنی عادت کے مطابق خیانت کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ محدثین اس کی حدیث کو منکر کہتے تھے اور وجہ بتاتے ہیں کہ اسحاق لوگوں کو اپنی یاداشت سے حدیث سناتے تھے تو شاید یہ روایت بھی اس طرح مشتبہ ہوئی ہو۔

یہاں میزان الاعتدال کا حوالہ دیا گیا ہے۔اب ہم میزان الاعتدال سے اصل بات نقل کرتے ہیں۔

امام ذھبی فرماتے ہیں:

”قلت: الحدیث مارواہ عن ابن عیینہ عن زھری عن عبیداللہ عن ابن عباس عن میمونۃ فی الفأرۃ فزادفیہ اسحاق من دون اصحاب سفیان وان کان ذائبا فلاتقربوہ .فیجوز ان یکون الخطأ ممن بعد اسحاق وکذا حدیث رواہ جعفر الفریانی حدثنا اسحاق بن راھویہ حدثنا شبابۃ عن اللبث عن عقیل عن ابن شھاب عن انس . کان رسول اللہ ﷺ اذا کان فی سفر فزالت الشمس صلی الظھر والعصر تم ارتحل فھذا علی نبل رواتہ منکر فقد رواہ مسلم عن الناقد عن شبابۃ ولفظہ اذاکان فی سفر وارادالجمع اخرالظھر حتی یدخل وقت العصر ثم یجمع بینھا .نابغہ الزعفرانی عن شبابۃ ، واخرجہ مسلم من حدیث عقیل عن ابن شھاب عن انس ولفظہ اذا عضل بہ السیر اخرالظھر الی اول وقت العصر فیجمع بینھا ولاریب ان اسحاق کان یحدث الناس من حفظہ فلعلہ اشتبہ علیہ . واللہ اعلم“ (میزان الاعتدال جلدص 207-208)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں جو حدیث ابن عیینہ نے زہری سے اور زہری نے عبداللہ بن عباس سے اور انہوں نے میمونہ سے جو ہے کہ مسئلہ میں تو اسحاق نے سفیان کے اصحاب کے علاوہ یہ الفاظ بڑھائیں ہیں'' وان کان ذائبا فلاتقربوہ'' تو ممکن ہے کہ اسحاق کے بعد والے رواۃ سے خطا ہوئی ہو اسی طرح جعفر الفریانی نے اسحاق بن راھویہ اور انہوں نے شبابہ سے اور پھر انہوں نے لیث سے اور انہوں نے عقیل سے اور عقیل نے ابن شھاب سے اور انہوں نے انسؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر میں ہوتے کہ جب سورج مائل ہو جاتا تو نبی کریم ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی۔ اور پھر رحلت کی۔ تو اپنے روئیوں کی وجہ سے منکر ہے اور امام مسلم ناقد سے اور انہوں نے شبابہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ سفر میں ہوتے تو نماز میں جمع کا قصد کرتے اور ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے پھر جب عصر کا وقت ہو جاتا تو دونوں نمازوں کا جمع کر کے پڑھتے۔ زعفرانی نے اس کی متابعت کر کے شبابہ سے روایت کی ہے اور امام مسلم نے عقیل کی حدیث سے اور عقیل نے ابن شھاب اور انہوں نے انسؓ سے ان لفظوں میں روایت بیان کی ہے۔ کہ جب آپ ﷺ کو جلد جانا ہوتا تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک مؤخر کر دیتے اور دونوں کو جمع کر کے پڑھتے اس میں کوئی شک نہیں کہ اسحاق اپنے حفظ سے لوگوں کو حدیث سناتے تھے تو شاید یہ روایت ان پر مشتبہ ہو گئی ہو۔

اس پوری عبارت کو پڑھنے کے بعد اس بات کی صراحت ہو جاتی ہے۔ کہ امام ذھبی نے صرف اس بیان کردہ روایت کے بارے میں بتایا ہو سکتا ہے یہ روایت ان پر مشتبہ ہو گئی ہو۔ نہ کہ تمام روایات کو مطلقا اور بیان کردہ روایت کو منکر اسحاق بن راھویہ کی وجہ سے نہیں کہا بلکہ اس روایت کی رواۃ کی وجہ سے کہا ہے۔ کیونکہ امام ذھبی خود اسحاق بن راھویہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ: أحد الائمه الأعلام ثقة حجة (میزان الاعتدال 207/1)'' کہ وہ بڑے اماموں میں سے ایک امام تھے اور ثقہ و حجت تھے۔ تو یہ ناممکن بات ہے کہ امام ذھبی ان کی کسی روایت کو ان کی وجہ سے منکر کہیں۔

2) ابراھیم بن سعد: اس راوی پر جرح کرتے ہوئے خیانت سے کام لیا گیا ہے عبارت آدھی نقل کی گئی ہے۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ یحیی بن سعید کے ہاں عقیل و ابراھیم کا ذکر کیا گیا تو گویا آپ دونوں کو ضعیف سمجھ کر ناگواری سے کہتے ہیں عقیل و ابراھیم۔

ہم پوری عبارت نقل کر رہے ہیں:

''عن عبدالله بن احمد سمعت ابی یقول ذکر عند یحیی ابن سعید عقیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وابراهيم بن سعد فجعل كانه يضعفها يقول : عقيل وابراهيم ثم قال الى ايش ينفع هذا ؟هولا ء ثقات لم يخبرها يحيى'' (تهذيب 120/1وميزان 1ص59)

''عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے سنا کہ یحیی بن سعید کے ہاں عقیل اور ابراھیم کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس طرح کہا کہ گویا کہ وہ ان دونوں کوضعیف کہہ رہے ہیں فرماتے ہیں عقیل اور ابراھیم پھر احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ کیا نفع دے گا یہ لوگ ابراھیم وعقیل ثقات ہیں اور یحیی نے ان کو خبر نہیں دی''۔

یہاں ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے کہ یحیی بن سعید نے نا گواری سے کہا کہ عقیل اور ابراھیم ''نا گواری سے کہا'' یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ یہ ھادی صاحب کے خودساختہ الفاظ ہیں ھادی صاحب تو ایسے کہہ رہے ہیں کہ جیسے یہ خود یحیی بن سعید کے سامنے موجود تھے اور جو عبارت انہوں نے نقل کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یحیی بن سعید کی جرح مبہم ہے لیکن اس کے مقابلہ میں احمد بن حنبل نے اس کی توثیق کی ہے اور یحیی بن معین بھی فرماتے ہیں کہ ابراھیم بن سعد ثقہ اور حجت ہیں۔ امام ذھبی فرماتے ہیں ابراھیم بن سعد ثقہ ہے۔ (ميزان الاعتدال 59/1-60)

حافظ ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں،ثقة ، حجة ، تكلم فيه بلاقادح ۔(تحرير تقريب التهذيب 87/1) کہ ابراھیم بن سعد ثقہ وحجت ہیں ان پر غیر قادح کلام کیا گیا ہے یعنی ایسا کلام نہیں کیا گیا کہ ان کی روایت کا رد کر دیا جائے اس سے واضح ہے کہ ابراھیم بن سعد پر جرح مبھم ہے اور تعدیل مفسر ہے اور یہ اصول متفق علیہ ہے کہ جرح مبہم پر تعدیل مفسر مقدم ہوتی ہے۔ رہی بات اس عبارت کی کہ ابن عدی نے زہری کے ان چند غرائب بیان کئے ہیں کہ وہ اسناد میں ادل بدل کر کے ایک تابعی کی جگہ دوسرے کا نام لیتا ہے عدی نے ان بعض غرائب ذکر کرنے کے بعد اپنا فیصلہ بھی ابراھیم بن سعد کے متعلق سنایا ہے لیکن ھادی صاحب ایک دو جرح وتعدیل کی کتابیں پڑھ کر ان میں سے ایک دو عبارتیں لے لیتے ہیں اور پھر ان راویوں کو مجروح قرار دیتے ہیں اگر ابن عدی کی بات نقل کرنے سے پہلے ان کی کتاب کو دیکھ لیتے تو ابراھیم بن سعد کی ثقاہت کی معرفت ہوجاتی۔

''ابن عدی ابراھیم بن سعد کے متعلق اس طرح فیصلہ سناتے ھیں :

'' وقول من تكلم فى ابراهيم بن سعد ممن ذكرناه بمقدار وماتكلم فيه تحاملا عليه فيما قاله فيه .وابراهيم بن سعد من ثقات المسلمن حدث عنه جماعة من

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الائمة هم اکبر سنا و اقدم موتا منه "(الکامل فی الضعفاء لابن عدی 403/1)

جو کلام ابراھیم بن سعد کے متعلق کیا گیا ہے جس قدر سے ان کے بارے میں کلام کیا گیا جو ہم نے ذکر کیا ہے اسی پر محمول کرتے ہوئے جس نے جو ان کے متعلق کہا ہے اور ابرھیم بن سعد ثقات میں سے ہیں ان سے ائمہ کی جماعت نے حدیث بیان کی ہے جو ان سے عمر میں بڑے ہیں اور جن کی وفات ان سے پہلے ہو چکی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"ولا ابرهیم بن سعد احادیث صالحة مستقیمة عن الزهره وعن غیره ولم یخلف احد عن الکتابة عنه "الکوفة" و "البسرة" و "بغداد" وهو من ثقات المسلمین "(الکامل فی الضعفاء لابن عدی 404/1)

اور ابراھیم بن سعد کی زہری اور دیگر "ائمہ سے" صحیح اور مستقیم احادیث ہیں اور کوفہ، بصرہ، اور بغداد میں کوئی ایسا نہیں کہ جنہوں نے ان سے (احادیث) نہ لکھی ہوں اور مسلمانوں کے ثقات میں سے ہیں۔

لہٰذا ابن عدی نے ان پر جرح نہیں کی بلکہ ان کی زبردست توثیق کی ہے۔ اور ھادی صاحب کی جرح یہاں پر مردود ثابت ہوئی اور ابراھیم کے گانے بجانے کو جائز قرار دینے کے بارے میں جو بات بیان ہوئی ہے۔ اسکو خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں ذکر کیا ہے خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔ **أخبرنا علی بن علی المعدل نا ابو بکر محمد بن اسحاق بن ابراهیم یزید بن مهران الصفار الضریر نا علی بن الحسن بن خلف بن قدیر ابو لقاسم بمصر عن ابیه قال : قدیر ابراهیم بن سعد الزهری العراق سنة اربع وثمانین ومائة فاکرمه الرشید واظهر بره وسئل عن الضناء فافتی بتحلیله**۔ (تاریخ بغداد 81-82/6)

فرماتے ہیں کہ ابراھیم بن سعد زھری 184 میں عراق آئے تو رشید نے اس کا اکرام کیا اور اپنی نیکی کا اظہار کیا اور اس (ابراھیم بن سعد) سے گانے بجانے کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے اس گانے بجانے کو حلال ہونے کا فتوی دیا۔

اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جس کی سند سے خطیب بغدادی نے اس روایت کو نقل کیا ہے قابل احتجاج ہی نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سند میں ایک راوی ہے عبیداللہ بن سعید بن کثیر عبید جس کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں (**لایجوز الاحتجاج به**)(میزان الاعتدال 9/3) اس سے احتجاج جائز نہیں ہے۔امام ذھبی فرماتے ہیں: **عبیدالله بن سعید بن کثیر المصری عن أبیه تکلم فیه۔**(دیوان الضعفاء والمتروکین 137/2) عبیداللہ بن سعید اپنے والد سے روایت کرتا ہے اس پر کلام ہے۔اسی طرح ابن الجوزی نے اپنی کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں: **قال ابن حبان لایشبه حدیثه بالثقات۔**163/2) ابن حبان فرماتے ہیں اس کی حدیث ثقات سے نہیں ملتی۔

لہٰذا گانے بجانے کی جرح بھی مردود ہے۔

تنبیہ: امام ابن شھاب الزھریؒ پر جو جرح تدلیس کی گئی ہے اس کا جواب ان شاءاللہ آگے آئے گا۔

بخاری کی نزول عیسیٰؑ سے متعلق دوسری روایت کی سند پر جرح اور اس کا رد:

دوسری روایت کی سند: ''**حدثنا بکیر ثنالیث عن یونس عن ابن شهاب عن نافع مولی قتادة**''(بخاری 490/1) ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ تم میں اتریں گے اور تمہارے امام تم میں سے ہوگا۔

یعنی عبدالله بن بکیر قال ابو حاتم . یکتب حدیثه ولا یحتج به . وقال النسائی : ضعیف وقال مرة لیس بثقة۔ (میزان الاعتدال 392/4) ابو حاتم نے کہا کہ اس کی حدیث تو لکھی جاسکتی ہے لیکن قابل استدلال نہیں ہوسکتی نسائی نے کہا ضعیف ہے اور کہتا ہے ثقہ (قابل اعتماد) نہیں ہے۔

یونس بن یزید الایلی : شدابن سعد فی قوله لیس بحجة وشد وکیع فقال سئی الحفظ وکذا استنکر احمد بن حنبل احادیث وقال الاثرم ضعف احمد امر یونس(میزان ج4ص391) ابن سعد نے اسے چھوڑا ہے اور کہا ہے کہ اس کے حافظہ نے اس کی روایات کو منکر قرار دیا ہے اور اسی طرح احمد بن حنبل نے اس کی روایت کو منکر قرار دیا ہے اور اثرم نے کہا احمد بن حنبل نے یونس کو احادیث کے معاملے میں ضعیف قرار دیا ہے۔(عقیدہ خاتم النبین)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ازالہ:

یحی بن عبداللہ بن بکیر کے متعلق میزان الاعتدال کے حوالے سے جو جرح نقل کی گئی ہے وہ مردود ہے۔کسی راوی کے متعلق صرف اس بات پر جرح کردہ بات کو نقل کرکے اوراس کی توثیق وتعدیل کے متعلق کلام کو نقل نہ کرنا صراصر خیانت ہے۔اگر میزان الاعتدال کے حوالے سے وہ عبارت بھی نقل کردی جائے جو نظر انداز کرکے چھوڑ دی گئی ہے تو بات عیاں ہوگی۔امام ذھبی لکھتے ہیں:

یحیی بن عبدالله بن بکیر المصری الحافظ صاحب اللیث ومالک ثقة صاحب حدیث ومعرفة یحتج به فی الصحیحین .(میزان الاعتدال 306/4)

یحی بن عبداللہ بن بکیر المصری حافظ صاحب لیث و مالک ثقہ ہیں اور صاحب حدیث ومعرفت ہیں اور صحیحین (بخاری ومسلم) میں قابل احتجاج ہیں۔

حافظ ابن حجر ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"یحی بن عبدالله بن بکیر المصری وقد نسب الی جده لقیه البخاری وحدث ایضا عن رجل عنه وروی عن مالک فی المؤطا واکثر عن اللیث قال ابن عدی هو اللیث الناس فیه وقال ابو حاتم: کانه یفهم هذا لسان یکتب حدیثه وقال مسلم :تکلم فی سماعه عن مالک لانه کان بعرض حدیث .وضعفه النسائی نمطلقا وقال البخاری فی تاریخ الصغیر ماروی یحی بن بکیر عن اهل الحجاز فی التاریخ فانی اتقیه قلت . فهذا بذلک علی انه ینبغی حدیثه شیوخه وهذا مااخرج عنه مالک سوی خمسه احادیث مستهورة متابعة ومعظم الاخرج عنه عنللیث . (ھدی الساری مقدمه فتح الباری ص 636)

"یحی بن عبداللہ بن بکیر مصری اوراس کی سبت ان کے دادا کی طرف کی جاتی ہے۔ایک آدمی سے پھران سے حدیث بیان کی ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے اور زیادہ تر روایت لیث سے بیان کی ہیں ابن عدی نے کہا کہ وہ (ابن بکیر) لیث بن سعد سے روایت لینے میں اثبت واوثق ہیں ابوحاتم نے کہا کہ وہ اس شان (حدیث) کی فہم رکھتا تھا اس کی حدیث کو لکھ لیا جائے امام مسلم نے کہا اس کی امام مالک سے سماعت میں کلام کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے کیونکہ وہ حبیب کے پیش پیش تھا امام نسائی نے مطلقاً ضعیف کہا ہے اور امام بخاری اپنی کتاب تاریخ صغیر میں فرماتے ہیں کہ ابن بکیر کی تاریخ میں جو روایات ہیں اہل حجاز سے بیان ہوئی ہیں میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (امام بخاری) اس (ابن بکیر) کے شیوخ کی روایات کو نہیں لیتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس سے امام مالک کی صرف پانچ مشہور روایتیں متابعہ بیان کی ہیں اور زیادہ تر روایتیں جو انہوں نے اس سے لی ہیں وہ لیث سے ہیں"۔

یہاں بات واضح ہے کہ اگر ابن بکیر امام لیث سے کوئی روایت بیان کریں تو وہ بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اور یہاں بھی وہ امام لیث سے ہی روایت بیان کرر ہے ہیں۔ اور رہی ابو حاتم اور امام نسائی کی ان پر جرح کرنا تو اس کے متعلق محقق تھذیب الکمال لکھتے ہیں:

"ووثقه يعقوب بن سفيان (المعرفة 347/1) وابن قانع ، والخليلي (لارشاد الترجمة ١٠٠) والذهبي ، وقال في السير "كان عزير العلم ، عارفا بالحديث وايام الناس بصير بالفتوى ، صادقا دينا وما اروى مالاح للنسائي منه حتى ضعفه ، وقال مرة ليس بثقة ، وهذا جرح مردود فقد احتج به اشخان ، وماعلمت له حديثا منكراً حتى اورده . (حاشیه تهذيب الكمال جلد 31ص404)

یعقوب بن سفیان خلیلی ابن قانع اور امام ذھبی نے اس کی توثیق کی ہے اور وہ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں وہ علم میں پختہ تھے اور حدیث اور لوگوں کے ایام (یعنی تاریخ) جان پہچان رکھنے والے تھے فتوی میں صاحب بصیرت تھے سچے دیندار تھے۔

پتہ نہیں کہ امام نسائی کو اس سے کیا ظاہر ہو گیا یہاں تک، انہوں نے اسے ضعیف کہہ دیا اور کبھی یہ کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور یہ جرح مردود ہے یقیناً اس سے شیخین (بخاری و مسلم) نے احتجاج کیا ہے اور میرے علم میں ان کی کوئی حدیث منکر نہیں ہے کہ اس کو وارد کروں۔ (انظر کلام الذھبی سیر اعلام النبلا جلد 7ص661)

امام ذھبی کے اس کلام سے بات کھل کر سامنے آ گئی کہ یحی بن عبداللہ بن بکیر پر جو جرح کی گئی وہ مردود ہے۔ اور ثقہ اور صحیح راوی ہیں۔

یونس بن یزید الایلی کے متعلق کلام نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا گیا ہے۔ میزان الاعتدال کے حوالے سے جو کلام نقل کیا گیا ہے اس میں شروع کے دو تین الفاظ کو چھوڑ دیا گیا ہے جو کہ دھوکہ ہے۔

امام ذھبی فرماتے ہیں "**يونس بن يزيد الايلى صاحب الزهرى ثقه حجة**(میزان الاعتدال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

444/4) یونس بن یزید صاحب زھری ثقہ اور حجت ہیں۔اور پھر اس کے بعد وہ کلام ہے جو ھادی صاحب نے نقل کیا ہے۔قارئین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جو شخص اتنی بد دیانتی اور خیانت کرے کیا وہ عوام کی بھلائی چاہتا ہے یا ان کی آخرت برباد کرنا چاہتا ہے۔

رہی بات اس جرح کی جو احمد بن حنبل ابن سعد اور وکیع وغیرہ کے حوالے سے یونس بن یزید کے متعلق نقل کی گئی ہے اس جرح کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"قلت وثقه الجمهور مطلقا وانما ضعفوه بعض روايته حيث يخالف اقرانه اويحدث من حفظه فاذا احدث من كتابه فهو حجة قال ابن البرقی سمعت ابن المدينی يقول عينه ومعمر وزياد بن سعد ويونس من كتابه وقد ثقه احمد مطلقا وابن معين والعجلی والنسائی ويعقوب بن شيبه والجمهور واحتج به جماعة" (هدى السارى مقدمة فتح البارى ص 640)

میں کہتا ہوں کہ جمہور (محدثین) نے اسے (یونس کو) مطلقا ثقہ کہا ہے اس کی بعض روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے اسکے (اقران) (یعنی ہم عصر) کی مخالفت کی وجہ سے یا (وہ حدیث) وہ اپنے حافظے سے سنائے پھر اگر وہ حدیث اپنی کتاب سے بیان کرے تو وہ حجت ہے۔ابن البرقی کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ زھری سے روایت لینے میں مضبوط (قوی) مالک ابن عینہ اور معمر وزیاد بن سعد اور یونس یزید اپنی کتاب سے (حدیث سناتے ہیں) امام احمد اس کو یونس (یونس بن یزید) کو مطلقا ثقہ کہا ہے اور اسی طرح ابن معین عجلی نسائی یعقوب بن شیبہ اور جمہور نے (ان کو مطلقا ثقہ کہا ہے) اور جماعت (محدثین) اس سے احتجاج کیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یونس بن یزید جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔اور خاص طور پر جب امام ابن شھاب زھری سے روایت کریں تو وہ روایت بالکل صحیح ہوتی ہے۔اور اس جگہ پر بھی وہ امام ابن شھاب زھری سے روایت کر رہے ہیں۔

احمد بن صالح المصری فرماتے ہیں "**نحن لاتقدم فی الزهری علی یونس احد ا**" (تهذيب الكمال 506/32) ہم امام زھری سے روایت لینے میں یونس سے زیادہ کسی کو مقدم نہیں سمجھتے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ سند بھی بالکل درست صحیح ہے اس پر جرح کرنے والے غیر صحیح ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری کی نزول عیسیٰؑ سے متعلق حدیث کی تیسری سند پر تبصرہ کرتے ہوئے ھادی صاحب رقمطراز ہیں

''تیسری روایت کی سند حدثنا قتیبہ سعید ثنا اللیث عن ابن شہاب۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے عنقریب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے حاکم منصف امام عادل ہو کر خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے جزیہ کو موقوف کریں گے اور مال میں ایسی فراوانی ہو گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہو گا۔ **لیث بن سعد قال یحی بن معین کان یساھل فی السماع والشیوخ** (تہذیب جلد8 ص416) **قال وفی حدیثه عن الزھری بعض الاضطراب**. (ص414)

یحی بن معین نے کہا کہ احادیث سننے اور شیوخ کے ناموں میں غفلت برتتا تھا (یعنی کیا سنا اور کس سے سنا اس میں متساہل تھا) فرمایا زھری سے جو حدیث لیتا اس میں کچھ نہ کچھ اضطراب (خلل تردد شک) ہوتا تھا۔

دیکھیئے درج بالا سند میں زھری سے لی ہوئی حدیث ہے اس لئے یہ روایت مشکوک ہوئی۔

زھری کان یدلس فی النادر'' (میزان جلد 4 صفحہ 40) بعض اوقات تدلیس کیا کرتا تھا۔ محدثین کہتے ہیں کہ (تدلیس کسی راوی یا روایت میں عیب چھپانا) عیب چھپانا کپڑا بیچنے میں حرام ہے تو حدیث میں فدیہ اور جہاد حرام ہے۔ یہ ہے وہ خلاف قرآن روایت کی اسناد کا حال جس پر نا سمجھوں نے عقیدہ استدلال کیا ہے یہ بھی اصول حدیث ہے کہ (الجرح مقدم علی التعدیل) جرح وتعدیل پر مقدم ہے یعنی جس راوی پر ایسی جرح ثابت ہو جائے جس سے روایت مجروح ہوتی ہو تو اب ان کی تعدیل کسی کام کی نہیں۔ (عقیدہ خاتم النبین ص 19-20)

امام لیث بن سعد کے متعلق امام ذھبی فرماتے ہیں:

''**احد والاعلام والائمة الاثبات ثقه بلاحجة بلانزوع**'' (میزان الاعتدال جلد3 ص409)

کہ وہ بڑے عالم اور مثبوث امام تھے اور بلانزاع (یعنی بالاتفاق) ثقہ وحجت ہیں۔

رہی بات ابن معین کے اس قول کی کہ وہ شیوخ اور سماع میں تساہل سے کام لیتے تھے یہ جرح غیر مفسر ہے اور کوئی ایسی جرح نہیں کہ کسی راوی حدیث کو ضعیف کہا جاسکے۔ اس کے برعکس خود یحی بن معین نے ان کی توثیق بیان کی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' میں ذکر کیا ہے۔

عن یحی بن معین انه قال لیث بن سعد ثقة (الجرح والتعدیل 245/7)

یحی بن معین فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد ثقہ ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور رہی بات اس قول کی کہ زھری سے جو حدیث لیتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ اضطرا ہوتا ہے۔ دراصل یہ یعقوب بن شیبہ کا قول ہے جس کا حافظ ابن حجر نے تھذیب التھذیب میں ذکر کیا ہے کہ یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں ''**وفی حدیثه عن الزھری بعض الاضطراب** (تہذیب التھذیب 608/6)

ھادی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ کرنے میں خیانت کی ہے ترجمہ کررہے ہیں کہ زھری سے یہ جو حدیث لیتا اس میں کچھ نہ کچھ اضطراب ہوتا۔ حالانکہ ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اس کی زھری سے حدیث میں بعض اضطراب ہے۔ ھادی صاحب کا یہ ترجمہ کرنا کہ جو حدیث وہ زھری سے لیتا اس میں کچھ نہ کچھ اضطراب اور شک وخلل ہوتا۔ غلط ہے اور دھوکہ ہے۔

ھادی صاحب اس طرح کا ترجمہ کرکے یہ ثابت کرنا چارہے ہیں کہ امام لیث کی جو حدیث بھی امام زھری سے آئی۔ وہ مضطرب ہے۔ حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے۔ یعقوب بن شیبہ کا صرف یہی مقصد ہے کہ امام لیث بن سعد کا امام زھری سے روایت کرنے میں بعض اضطراب ہوتا نہ کہ

پوری طرح یہ روایت مضطرب ہوتی۔ اور نہ یہ مقصد ہے کہ لیث بن سعد کی امام زھری سے ہر حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔ بلکہ بعض احادیث میں ایسا ہوتا ہے۔ اور کس حدیث میں اضطراب ہے یا کس میں نہیں ہے اس کے لئے کسی دوسری دلیل یا قرینے کو دیکھنا چاہیئے۔ بغیر کسی قرینے کے لیث بن سعد کی امام زھری سے روایت مضطرب قرار دینا صحیح حدیث کا انکار ہے۔ اور یعقوب بن شیبہ کا بھی یہی مقصد تھا۔

اگر ہم مضطرب حدیث کی تعریف کا جائزہ لیں تو بات اور واضح ہوجائے گی۔ امام بلقینی لکھتے ہیں:

''**المضطرب من الحدیث ھو الذی تختلف الروایة فیه فیرویة بعضھم علی وجه وبعضھم علی وجه آخر مخالف له**'' (محاسن الاصطلاح فی لضمین ابن الصلاح ص 905)

مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس روایت میں اختلاف واقع ہوتا ہو کہ بعض اسے کسی طرز سے بیان کریں اور بعض کسی اور طرز سے بیان کریں جو پہلے طرز سے مختلف ہو۔

اور امام لیث کی جو امام زھری سے جو مذکورہ روایت ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے یعنی کوئی اضطراب موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں اضطراب کی جرح مردود ہے۔

ابن شھاب الزھریؒ کے متعلق یہ عبارت نقل کی گئی ہے ''**و کان یدلس فی النادر**'' (میزان جلد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

4 صفحہ 40) کہ وہ بعض اوقات تدلیس کیا کرتے تھے۔

اس عبارت سے وضاحت ہو رہی ہے کہ امام ابن شھاب الزھری نے بعض اوقات یعنی بہت ہی کم تدلیس کی ہے۔اور تدلیس نادر کو پہچاننے کے لئے کوئی ایسی دلیل یعنی قرینہ ہونا چاہیئے کہ جس سے ثابت ہو جائے کہ یہاں تدلیس ہوئی ہے۔اور نزول عیسیٰؑ کی روایات متواتر ہیں لہٰذا یہاں امام ابن شھاب الزھری سے تدلیس واقع ہو ہی نہیں سکتی۔

اور امام ابن شھاب الزھری اس روایت کو سعید بن مسیّب سے روایت کر رہے ہیں۔جن کے ساتھ انہوں نے آٹھ سال گزارے ہیں اور حدیثیں سنی ہیں (سیر اعلام النبلاء 207/5)

لہٰذا یہاں تدلیس ناممکن ہے ھادی صاحب اس حدیث پر تدلیس کا بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔

اور اگر صحیح بخاری و مسلم کی کہیں تدلیس بھی ہو تو وہ مفسر نہیں ہے۔امام نووی فرماتے ہیں: ان **المدلس اذاقال عن لایحتج بہ الاان یثبت سماعہ من مھة اخری والف ماکان فی الصحیحین من ذلک محمول علی ثبوت سماعہ من مھة اخری** (شرح النووی 110/1)

"مدلس اگر عن سے روایت کرے تو اسے قابل احتجاج نہیں مانا جائے گا ہاں اگر کسی اور طریقے سے اس کی سماعت ثابت ہو جائے (تو روایت صحیح تسلیم کی جائے گی) اور جو تدلیس صحیحین (بخاری و مسلم) میں واقع ہوئی ہے تو اسے دوسری جہت سماع پر محمول کیا جائے گا۔(یعنی ان روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے گا)

یہاں ھادی صاحب نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ "**الجرح مقدم علی التعدیل**" کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔یہ ھادی صاحب کا خود ساختہ اصول ہے جسے وہ اصول حدیث کہہ رہے ہیں۔یہ بیان کردہ اصول اس طرح نہیں ہے جس طرح ھادی صاحب نے بیان کیا ہے۔بلکہ اس سے پہلے ہم اس اصول کو بیان کر چکے ہیں۔کہ اگر جرح مفسر ہوگی تو تعدیل مبھم پر مقدم ہوگی وگرنہ اگر تعدیل مفسر ہو تو جرح مبھم پر مقدم ہوگی۔

(دیکھیئے الکفایہ فی علم الروایہ ص 101)

ھادی صاحب نے اصول محدثین کو پیش کرنے میں کافی حد تک خیانت سے کام لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: "**وانہ لعلم للساعة**"

"اور یقیناً (عیسیٰؑ) قیامت کی علامت ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن کی یہ آیت قبل از قیامت نزول عیسیٰؑ کے متعلق بالکل صریح ہے۔ بعض لوگ اس آیت کا کچھ اس طرح مفہوم بیان کرتے ہیں کہ انہیں قیامت کی نشانی قرار دینا، ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے۔ یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گا اس قدرت الٰہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن صحیح اور حق بات یہ ہے کہ ''علم للساعة'' سے مراد زمانہ اخیر میں عیسیٰؑ کا نزول ہے۔ کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراجع مصادر

نام کتاب	مصنف
1) القرآن الکریم	
2)صحیح بخاری	امام بخاری
3) صحیح مسلم	امام مسلم
4)تفسیر القرطبی	امام قرطبی
5) تفسیر المنار	محمد رشید رضا
6)تفسیر الطبری	امام طبری
7)سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد
8) سنن ابن ماجه	امام ابو عبدالله محمد بن ابن ماجه ـ
9) سنن ترمذی	امام ترمذی
10) سنن نسائی	امام نسائی
11) سنن دارمی	امام دارمی
12) مسند احمد	امام احمد بن حنبل
13)سنن الکبری	امام بیهقی
14) بغوی	امام بغوی
15)الرساله	امام شافعی
16)ابن حبان	ابن حبان
17) ابن خزیمه	ابن خزیمه
18) تهذیب التهذیب	حافظ ابن حجر
19) تهذیب الکمال	للمزی
20) تقریب التهذیب	حافظ ابن حجر
21)الاصابة	حافظ ابن حجر
22) تاریخ دمشق	ابن عساکر
23)فتوٰی حدیثیة	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

24)مشکوٰۃ المصابیح	امام تبریزی
25)ابو داؤد الطیالسی	امام ابوداؤد الطیالسی
26)الطبرانی	امام طبرانی
27)الاحکام فی اصول الاحکام	ابن حزم
28)سبل السلام شرح بلوغ المرام	امام الصنعانی
29) مسند ابی یعلی	امام ابی یعلی
30)شرح صحیح مسلم	امام نووی
31)فتح الباری	حافظ ابن حجر
32) الفتح الربانی	عبدالرحمن البنا
33)منۃ المنعم	صفی الرحمن مبارکپوری
34)مؤطا امام مالك	امام مالك
35)مسند ابی عوانه	امام ابی عوانه
36)سیر اعلام النبلاء	امام ذهبی
37)السنة	ابن ابی عاصم
38)حلیة الاولیاء	ابو نعیم الاصفهانی
39)مسند عبدالرزاق	امام عبدالرزاق
40)محاسن الاصطلاح	ابن الصلاح
41)المحلیٰ	امام ابن حزم
42)المنجد	
43) الکفایة فی علم الروایة	خطیب بغدادی
44)معجم الکبیر	امام طبرانی
45)معانی الآثار	امام طحاوی
46)مصنف ابن ابی شیبه	امام ابن ابی شیبه
47)مجمع الزوائد	امام هیثمی
48)مسند حمیدی	امام حمیدی
49)مسند علی من تهذیب الاخیار	ابن جریر
50)محاسن الاصطلاح	ابن الصلاح
51)ادب المفرد	امام بخاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

52)منتقی ابن جارود	امام ابن جارود
53) دیوان الضفعاء والمتروکین	امام ذہبی
54)الکامل فی الضعفاء	ابن عدی
55)میزان الاعتدال	امام ذہبی
56)علوم الحدیث	ابن الصلاح
57)قواعد التحدیث	امام قاسمی
58)تاریخ الاسلام	امام ذہبی
59)شذرت الذہب	ابن عماد الحنبلی
60) لسان المیزان	ابن منظور
61)تاریخ بغداد	خطیب بغدادی
62)تاریخ الثقات	امام عجلی
63)الجرح والتعدیل	امام ابن ابی حاتم
64)الوافی بالوفیات	امام صفدی
65) البدایہ والنہایۃ	امام ابن کثیر
66)الکاشف	امام ذہبی
67)طبقات الکبریٰ	ابن سعد
68)تاویل مختلف الاحادیث	ابن قیم
69)فتح المغیث	امام سخاوی
70) تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی
71)المستدرک	امام حاکم
72)طبقات الشافعۃ الکبریٰ	امام السبکی
73)المنار المنیف	امام ابن قیم
74)الکفایۃ فی علم الروایۃ	خطیب بغدادی
75)مشکل الآثار	امام طحاوی
76) کتاب التعریفات	الجرجانی
77)درالمنشور	جلال الدین سیوطی
84)تحفۃ الاخیار	امام طحاوی
85)مرزئی ہفت روزہ پیغام صلح	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.difaehadees.com